ہمدرد
نونہال

ٹیلے فون: ادارت ۶۱۶۰۰۱ (۵ لائنیں)

ہمدرد
نونہال

شعبان مُکرم ۱۳۹۶ھ
اگست ۱۹۷۶ء

جلد: ۲۴ شمارہ ۸

مجلسِ ادارت

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

قیمت
عام شمارہ: ایک رُپیہ ۵۰ پیسے
سالانہ: پندرہ رُپے

ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحّت و مسرّت کے لیے شائع کیا

اِس شمارے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ

معلومات حاصل کرنے اور تجربہ بڑھانے کے کئی ذریعے ہیں۔ ان میں سے ایک ذریعہ سفر ہے۔ سفر علم و تجربے میں اضافے کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ سفر میں مسافر کو نئی نئی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ نئے نئے آدمیوں سے ملنا ہوتا ہے۔ نئی نئی جگہیں دیکھتا ہے اور نئی نئی چیزیں اس کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ ان سب چیزوں سے اس کے ذہن میں روشنی آتی ہے۔ جہالت اور ناواقفیت دور ہوتی ہے۔

سفر کے دوران مسافر کو ہر قسم کے، ہر معیار کے اور ہر طبقے کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ سفر کرنے والا ان لوگوں کے مزاج، عادات، رہنے سہنے کے طریقوں، رسموں، ان کے لباس، ان کی زبان اور دوسری بہت سی چیزوں کو دیکھنے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو بہت سی نئی باتیں سوجھتی ہیں جن سے اس کو کامیابی اور ترقی میں مدد ملتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سفر وسیلۂ ظفر۔

تمہارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

چھوٹی بطخ

ٹیل (TEAL) برطانیہ کی ایک ایسی چھوٹی بطخ ہے جس کی نسل بڑھتی رہتی ہے۔ یہ بہترین ہوا باز ہے۔ اگر یہ زمین یا خشکی پر کہیں بھڑک جاتی ہے تو پھر تیر کی طرح فوراً اونچی اڑ جاتی ہے۔ پھر نیچے اُڑنے لگتی ہے اور ایسے جھکولے دیتی ہے کہ انتہائی تجربہ کار نشانہ باز بھی چکرا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس کی رفتار ۱۰۰ میل فی گھنٹے سے بھی زیادہ ہے۔ مگر یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ ٹیل کی آبادی میں دونوں قسمیں شامل ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو مستقل طور پر رہائش اختیار کیے ہوئے ہے اور دوسری قسم صرف جاڑے میں آتی ہے شمالی انگلستان، اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں ٹیل عام طور پر پائی جاتی ہے، لیکن جنوب میں خال خال دکھائی دیتی ہے۔ انڈے دینے کے زمانے میں یہ بیہڑ اور ناہموار علاقوں میں گھونسلا بناتی ہے۔ اکثر اوقات یہ جگہیں پانی سے دُور ہوتی ہیں۔ آٹھ سے لے کر دس تک انڈے دیتی ہے۔ گھونسلے میں گھاس پھونس کے علاوہ نرم نرم پَر بھی شامل ہوتے ہیں۔ مادہ انڈوں پر بیٹھ جاتی ہے۔ اس کا نر اکثر نر مرغابیوں کے برعکس بچوں کی پرورش میں مدد دیتا ہے۔ انڈے دینے کے موسم کو چھوڑ کر ٹیل بڑی تعداد میں جھیلوں، تالابوں اور کیچڑ کی کھاد والے کھیتوں اور پُرسکون ندیوں پر جمع ہو جاتی ہیں۔ پانی کی مقدار اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی کہ چُھپنے کی جگہ۔ یہ اکثر ایسے پانی پر نہیں رہتی جہاں سایہ دار جھاڑیاں وغیرہ نہ ہوں۔ غذا حاصل کرنے کے لیے اُنھیں وہ زمین بہت پسند آتی ہے جہاں سیلاب آ گیا ہو۔ بعض اوقات سینکڑوں بطخوں کا جھنڈ ایک چھوٹے سے علاقے میں جمع ہو جاتا ہے۔

ٹیل نر کی آواز عام بطخ کی طرح نہیں ہوتی بلکہ اس میں نغمے کی سی ایک گونج ہوتی ہے۔ مادہ بطخ بھی جب بچّوں کو بلاتی ہے تو اسی طرح کی آواز نکالتی ہے، ورنہ یوں تو وہ بڑی تیزی سے چیختی ہے جیسے ایک چھوٹا سا کتا بھونک رہا ہو۔

(سرِورق بشکریہ میسرز ایسو (ESSO) لندن)

خیال کے پھول

• دولت بانٹی جائے تو کم ہو جاتی ہے، علم بانٹا جائے تو اور بڑھ جاتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
مرسلہ: بشیر مرزا، کراچی

• غریب کا ایک درہم صدقہ امیر کے ہزار درہم صدقے سے بہتر ہے۔ (حضرت عثمانؓ) مرسلہ: رحیم بخش بھٹو، کراچی

• جب تک انسان علم حاصل کرتا رہتا ہے وہ عالم رہتا ہے اور جب اسے یہ خیال آتا ہے کہ میں علم سیکھ چکا ہوں تو وہ جاہل بن جاتا ہے۔ (فارابی)

• جس کے ہاتھ تلوار نہیں اُٹھا سکتے وہ کبھی عزت کی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ (صلاح الدین ایوبی)
•
مرسلہ: سید اشفاق محمود، کراچی

• تین اشخاص وہم میں مبتلا رہتے ہیں (۱) حاسد (۲) کاہل (۳) وہمی۔ (شیخ سعدیؒ) مرسلہ: حامد عمران

• یہ سچ ہے کہ اکثر لوگ محنت کم کرتے ہیں اور صلہ زیادہ مانگتے ہیں۔ صرف خواہش کسی چیز کے حصول کے لیے کافی نہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سر توڑ کوشش کیجیے۔ (فلیش مین) مرسلہ: ارفاق احمد طاہر، منڈی بہاء الدین

• جھگڑے کو اس سے پہلے کہ وہ بڑھ جائے چھوڑ دو۔ (سلمان فارسیؓ) مرسلہ یاسمین مختار صدیقی، خیرپور میرس

• بدقسمتی جاہلوں کے حصّے میں آتی ہے۔ (ایڈیسن)
مرسلہ: محمد سلیم اقبال صدیقی، کراچی

• دُنیا میں سب سے بڑا گناہ کسی کا دِل دُکھانا ہے۔ (برنارڈ شاہ)

• میں فاتح کی فتح کی نسبت عالم کے علم میں سربلندی محسوس کرتا ہوں۔ (ارسطو) مرسلہ: محمد مناف حبیب، کراچی

• حلال کی روزی کمانے والے کا دل خدا نور سے بھر دیتا ہے۔ (شاہ عبداللطیف بھٹائی) مرسلہ: محمد انیس عبدالمجید

• مشورہ لینا بُری بات نہیں بلکہ اس مشورے پر بلا غور و تامل عمل کرنا بُرا ہے۔ (بیکن)

• عالم سے ایک گھنٹے کی گُفت گو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ (بطلیموس) مرسلہ: عذرا یاسمین صدیقی، کراچی

• دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد ہمیشہ کے لیے زہر آلود کر دیتی ہے۔

• بُرے آدمی اچھی باتوں میں بھی بُرائی ڈھونڈتے ہیں۔ جس طرح مکھی سارے جسم کو چھوڑ کر زخم پر آ بیٹھتی ہے۔ (افلاطون) مرسلہ: سید شہاب بخاری، میرپور خاص

• علم کی محبت اور استاد کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (حکیم محمد سعید) سید۔ مرسلہ: سید شہاب بخاری۔ میرپور خاص

چوہوں کا جلسہ

فیض لودھیانوی

زخموں سے ہو کر مجبور چوہے کرتے ہیں فریاد
ظالم بلّی مُردہ باد

جلسے میں ہے اتنا شور گونج اُٹھا ہے مُوش آباد
ظالم بلّی مُردہ باد

اپنے لیڈر کی تقریر سُن کر سب دیتے ہیں داد
ظالم بلّی مُردہ باد

ظاہر ہیں بالکل مسکین باطن میں پوری جلاّد
ظالم بلّی مردہ باد

بُزدِل، نالائق، مکّار چھُپ کر کرتی ہے بیداد
ظالم بلّی مُردہ باد
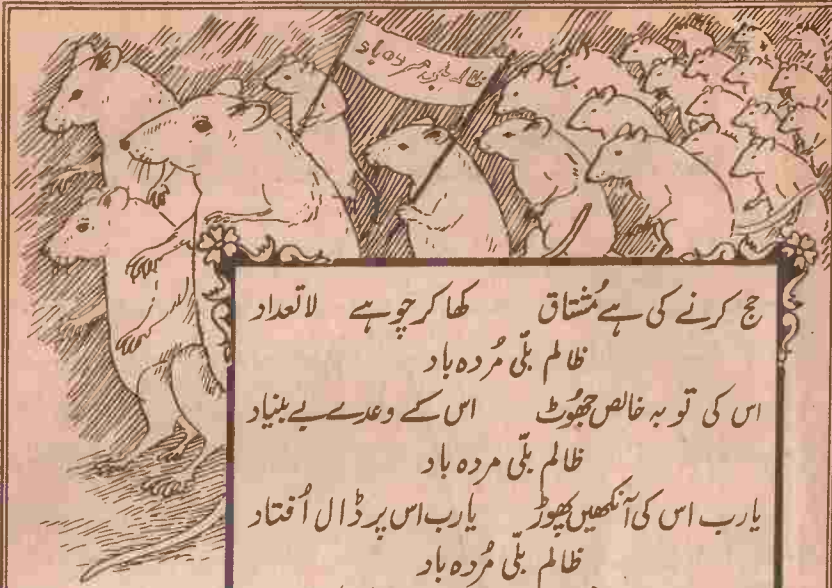
حج کرنے کی ہے مُشتاق کھا کر چوہے لاتعداد
ظالم بلّی مُردہ باد

اس کی توبہ خالص جھُوٹ اس کے وعدے بے بنیاد
ظالم بلّی مردہ باد

یارب اس کی آنکھیں پھوڑ یارب اس پر ڈال اُفتاد
ظالم بلّی مُردہ باد

یارب اس کے پنجے توڑ یارب اس کو کر برباد
ظالم بلّی مُردہ باد

کُتّوں سے ڈرتی ہے آج شیروں کی ہو کر اُستاد
ظالم بلی مُردہ باد

جب چوہوں نے کی یلغار آجائے گی نانی یاد
ظالم بلّی مُردہ باد

سُن لے دُنیا یہ اعلان اب چوُہے بھی ہیں آزاد
ظالم بلّی مُردہ باد

ہر بے بس کا دل اے فیضؔ نعروں سے ہوتا ہے شاد
ظالم بلی مردہ باد
بے بس چوہے زندہ باد

شہنشاہ نے کہا "میں مفلس ہوں"

عبداللہ خاور

حضرت ذُوالقرنَین بہت بڑے بادشاہ گزرے ہیں۔ اُن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے کی ساری معلوم دُنیا فتح کر لی تھی اور بڑے عدل و انصاف سے حکومت کرتے تھے۔ انھوں نے کوہِ قاف کے علاقے میں ایک پُرامن بستی کو یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچانے کے لیے تانبے اور فولاد کی ایک دیوار پہاڑوں میں بنوائی تھی۔ اس دیوار کو سدِّ ذوالقرنین کہتے ہیں۔

ان ہی بزرگ اور فاتح عالم بادشاہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنی فتوحات کے دوران ایک ایسے علاقے سے گزرے جہاں ایک عجیب و غریب قوم رہتی تھی۔ اس قوم کے طور طریقے، رہن سہن اور کھانا پینا دُنیا بھر سے الگ انداز پر تھا۔

یہ لوگ گھاس پھوس کا لباس پہنتے تھے اور جنگل میں قدرتی طور پر اُگنے والا ساگ پات، اور جڑی بوٹیاں کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔ جنگل میں پرندوں اور جانوروں کی کثرت تھی لیکن اِس قوم کے لوگ جانوروں کا شکار نہیں کرتے تھے۔ ان کے یہاں گوشت کھانے کا دستور نہیں تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ اس جنگل کے وحشی جانور شیر، گیدڑ، بھیڑیے وغیرہ بھی جانوروں کا شکار نہیں کرتے تھے اور نہ گوشت کھاتے تھے۔

حضرت ذوالقرنین اور ان کے لشکریوں کو اس قوم کا حال دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ لوگ لڑنا بھڑنا بھی نہیں جانتے تھے اور ان کے پاس کسی قسم کے ہتھیار بھی نہیں تھے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اُن سب نے اپنی اپنی قبریں بنوا رکھی تھیں۔ روزانہ اس کی صفائی کرتے تھے اور اُن کے پاس نمازیں پڑھتے تھے۔

ذوالقرنین نے ان کے سردار کے پاس اپنا ایلچی بھیجا۔ اُس نے سردار سے جا کر کہا "تم کو

فاتحِ عالم شہنشاہ ذوالقرنین بلاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ چلو۔"

سردار نے جواب دیا "مجھے تم سے، بادشاہ سے یا کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اگر اس کو مجھ سے کوئی غرض ہو تو وہ میرے پاس چلا آئے۔"

ایلچی نے ذوالقرنین کو جا کر یہ جواب سنایا، جواب سُن کر خفا ہونے کے بجائے انھوں نے کہا "واقعی وہ سچ کہتا ہے۔" اور خود اس کے پاس تشریف لے گئے۔

ذوالقرنین نے سردار سے کہا "میں نے تمھیں بلایا اور تم نہ آئے، لو میں خود تمھارے پاس آگیا ہوں۔ تم نے آنے سے انکار کیوں کیا؟"

اس نے کہا "اگر آپ سے مجھے کوئی مطلب حاصل کرنا ہوتا تو میں آتا۔"

ذوالقرنین نے کہا "تمھاری حالت دیکھ کر مجھے اور میرے ساتھیوں کو سخت حیرت ہے۔ تمھارے پاس دُنیوی ساز و سامان میں سے ایک چیز بھی نہیں ہے۔ تم لوگوں نے دوسری قوموں کی طرح سونا چاندی بھی جمع نہیں کیا۔ اگر تم مال و دولت جمع کرتے تو اور قوموں کی طرح آرام و آسائش سے رہتے۔"

سردار نے جواب دیا "آرام و آسائش سے رہتے تو بار بار آپ کی طرح طاقت ور بادشاہ ہم پر حملے کرتے اور ہمیں تباہ کرتے۔ جب امن کا زمانہ ہوتا تو ہمارے یہاں لڑائی جھگڑے، مقدمے اور چوریاں ہوتیں۔ مال دار دن رات اپنا مال بڑھانے کی فکر کرتے۔ لوگوں میں برابری نہ ہوتی، بلکہ کوئی آقا ہوتا اور کوئی غلام۔"

ذوالقرنین سردار کا یہ جواب سُن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ کچھ دیر خاموش رہے اور اس عجیب بات پر غور کرتے رہے پھر بولے،

"یہ تو بتاؤ کہ قبریں تم نے کس غرض سے کھودی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم انھیں روز صاف کر کے ان کے پاس نمازیں پڑھتے ہو۔"

سردار نے کہا "قبریں اس لیے ہیں کہ اگر ہم پر دنیا کا لالچ غالب آجائے تو قبریں ہمیں موت یاد دلا دیں اور ہم لمبی لمبی اُمیدیں نہ باندھیں اور خدا کو اور آخرت کو نہ بھولیں۔"

شہنشاہ نے کہا "تم لوگ گوشت کیوں نہیں کھاتے، جانوروں کا دودھ کیوں نہیں پیتے، ان پر سواری کیوں نہیں کرتے، ان سے کام کیوں نہیں لیتے؟"

سردار نے جواب دیا، "ان سب سوالوں کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جانور ہمارا گوشت نہیں کھاتے، ہمارا دودھ نہیں پیتے، ہم پر سواری نہیں کرتے۔ اس لیے ہم بھی ان سے ایسا سلوک نہیں کرتے۔"

شہنشاہ اور اس کے ساتھی یہ سن کر ہنسنے لگے تو سردار نے کہا،

"اے شہنشاہ، ہم اپنے پیٹوں کو جانوروں کا قبرستان نہیں بنانا چاہتے۔ رہا ان کا دودھ، تو وہ ان کے بچوں کا حصہ ہے۔ جیسے ہماری عورتوں کا دودھ ہمارے بچوں کا حصہ ہے۔ اور سواری کے لیے ہمارے پیر اور بوجھ اُٹھانے کے لیے ہمارے ہاتھ موجود ہیں۔ ہمیں جانوروں کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر ہمارے پاس بوجھ ہی کون سا ہے۔ ہم ہلکے مسافر ہیں۔ ہم پر کوئی بوجھ نہیں۔ ہم کسی کے لیے بوجھ نہیں، کوئی ہمارے لیے بوجھ نہیں۔"

اس دانش مندانہ جواب پر ذوالقرنین اور حیران ہوئے اور انھوں نے اللہ کی تعریف کی جس نے تہذیب و تمدن سے دُور ایسی سادہ زندگی گزارنے والوں کو ایسا ذہن اور عقل عطا کی۔ شہنشاہ حیرت میں کھوئے ہوئے تھے کہ سردار نے اپنی جھونپڑی میں سے ایک کھوپڑی اُٹھائی اور پوچھا،

"شہنشاہ، کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" ذوالقرنین نے کہا۔

سردار بولا، "یہ ایک بادشاہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو ایک سلطنت کا حاکم بنایا۔ اس نے اس سرزمین کو ظلم سے بھر دیا۔ خدا نے اسے موت دی۔ اب یہ ڈھیلے کی طرح پڑا ہوا ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے۔ اور بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ اس کا اعمال نامہ اس کے ظلم، اس کی سرکشی سب خدا کو معلوم ہے۔ قیامت میں اس کا بدلہ پائے گا۔"

یہ سن کر ذوالقرنین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بوڑھے سردار نے ایک اور کھوپڑی اُٹھائی اور کہا،

"شہنشاہ، کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟"

شہنشاہ نے کہا، "مجھے نہیں معلوم۔"

سردار بولا، "یہ بھی ایک بادشاہ کا سر ہے جو اس کے بعد ہوا۔ پہلے کا ظلم و ستم اسے معلوم تھا۔ اس نے عدل، سخاوت، رحم اور خدا ترسی کے ساتھ حکومت کی۔ اب اس حال میں ہے۔ خدا کو اس کے نیک اعمال کا علم ہے وہ اسے قیامت میں بہترین اجر دے گا۔"

پھر سردار نے ذوالقرنین کے سر کو چھُوا اور کہا،

"اے ذوالقرنین، ایک دن یہ کھوپڑی بھی دونوں کی طرح خاک میں پڑی ہوگی۔ لہٰذا جو کچھ کر سُوجھ بُوجھ کر کر اور خدا سے ڈر کر کر۔"

ذوالقرنین اور اُن کے ہمراہی سردار کی باتیں سن کر بے قرار ہو کر رونے لگے۔ جب ذرا طبیعت ٹھکانے پر آئی تو ذوالقرنین نے کہا،

"اے دانش مند سردار، تو میرے ساتھ چل۔ مجھے تیری دانائی کی سخت ضرورت ہے، مجھے اپنے انجام کا بڑا خوف ہے۔ میں تجھے اپنا نائب بناؤں گا اور سلطنت میں تجھے شریک کروں گا۔"

سردار نے کہا، "اے شہنشاہ، میرا تیرا ساتھ ناممکن ہے۔"

ذوالقرنین نے پوچھا، "کیوں؟"

بوڑھے سردار نے کہا، "اس لیے کہ آپ دُشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اور میں دوستوں میں گھرا ہوا ہوں۔ آپ کے ساتھ جاؤں گا تو میں بھی دُشمنوں میں گھر جاؤں گا۔"

بادشاہ کو اس جواب پر اور بھی حیرت ہوئی۔ اس نے وضاحت چاہی تو سردار نے بتایا،

"اقتدار خود اپنی ذات سے دُشمنی ہے۔ آپ کے پاس ملک و مال ہے، اس لیے آپ کے اِرد گرد سب آپ کے دُشمن ہیں۔ آپ کے جاں نثار بھی آپ کے دشمن ہیں۔" اس نے بادشاہ کے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا، "اگر اس کو قوی امید ہو کہ آپ کے بعد اسے بادشاہ بنا دیا جائے گا تو کیا یہ آپ کی موت کی آرزو نہ کرے گا؟"

یہ سُن کر ذوالقرنین کے وزیروں میں ہلچل مچ گئی اور وہ بادشاہ سے کہنے لگے، "چلیے یہ دیوانہ ہے۔"

لیکن بادشاہ بُت بنا ہوا سردار کی باتیں سُن رہا تھا۔ اس نے کہا،

"اور تم دوستوں میں کس طرح گھرے ہو؟"

سردار بولا "حضور میں نے دُنیا پر لات ماردی ہے۔ مجھ سے کسی کو عداوت کی کوئی وجہ نہیں۔ میں مفلس ہوں اِس لیے میرا دُشمن کوئی نہیں"۔

شہنشاہ ذوالقرنین نے اس مفلس کی پیشانی چومی اور کہا،

"تو مفلس نہیں، تو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ تیرا دل غنی ہے اور تیری عقل دُنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہے، اس لیے تو سب سے بڑا دولت مند ہے۔ مُفلس میں ہوں...... مفلس میں ہوں..."

یہ الفاظ زیرِ لب گنگناتا ہوا فاتح عالم شہنشاہ اُس بستی سے رُخصت ہوا۔

الگ، الگ

بعض نونہال اپنے مضامین، کہانیاں، لطیفے، سوالات، خیال کے پھول، خبریں اور خط وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اس طریقے سے ان کی چیزیں شائع نہیں ہو سکتیں اور ان کو الگ الگ کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہر چیز کو الگ کاغذ پر لکھنا چاہیے اور اس پر اپنا نام اور پتا بھی صاف لکھنا چاہیے تاکہ ہم ان کو علاحدہ علاحدہ فائلوں میں رکھ سکیں اور نمبر آنے پر شائع کر سکیں۔ ایک بچے نے خط لکھا اور اُسی کے پیچھے لطیفہ بھی لکھ دیا۔ وہ لطیفہ چھپ سکتا تھا، لیکن علاحدہ کاغذ پر نہ لکھا ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا اس لیے آپ جتنی چیزیں لکھیں الگ الگ کاغذوں پر لکھیں۔ ہاں ان کو ایک ہی لفافے میں رکھ کر بھیج سکتے ہیں، یعنی ہر چیز کے لیے علاحدہ لفافہ بھیجنا ضروری نہیں ہے۔

ایک بات اور ضروری ہے کہ کاغذ کے صرف ایک طرف لکھنا چاہیے دونوں طرف نہیں لکھیے۔

ایڈیٹر

ناصر زیدی

کچھ چین کے بارے میں

آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مشہور حدیث تو سُنی ہوگی:

"علم حاصل کرو، خواہ اُس کے لیے چین ہی جانا پڑے۔"

اور آپ نے یقیناً دیوارِ چین کا نام بھی سُنا ہوگا۔ آج ہم آپ کو چین کے بارے میں بتاتے ہیں جو ہمارا عظیم دوست ملک ہے۔ اگر آپ اخبار باقاعدگی سے پڑھتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ ضرور اخبار پڑھتے ہوں گے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ یکم اکتوبر چین کا قومی دن ہے، کیونکہ یکم اکتوبر ۱۹۴۹ء کو بیس سال کی خانہ جنگی کے بعد چین میں انقلاب آیا تھا اور چین نے آزادی حاصل کی تھی۔ چیانگ کائی شیک اپنے ساتھیوں کے ساتھ تائیوان میں پناہ لینے پر مجبور ہوا اور چیئرمین ماؤزے تنگ نے اپنی حکومت قایم کرکے ملک کا نام "عوامی جمہوریہ چین" رکھا ورنہ صدیوں تک یہ ملک، سلطنتِ چین ہی کہلاتا رہتا۔

عوامی جمہوریہ چین، مشرقی ایشیا کے بہت لمبے چوڑے علاقے پر پھیلا ہوا ہے اور آبادی کے لحاظ سے دُنیا کا سب سے بڑا مُلک ہے۔ اس میں منگولیا اور سنکیانگ ایسے خود مختار علاقے بھی شامل ہیں۔ آبادی ۸۱ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ رقبہ ۳۷ لاکھ ۴ ہزار، چار سو مُربّع میل ہے جو پوری دُنیا کا چودہواں حصہ ہے۔ رقبے کے اعتبار سے رُوس اور کینیڈا کے بعد چین دُنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ آبادی کے اعتبار سے دُنیا کی پوری آبادی کا پانچواں حصہ ہے۔

چین کی سرحدیں تھائی لینڈ، برما، پاکستان، ہندُستان، روس، (سوویٹ یونین) اور سائبیریا سے ملتی ہیں۔ مشرقی سمت بحرالکاہل ہے۔ مشہور شہر پیکنگ دارالحکومت ہے۔ یہ شہر ثقافتی، اقتصادی اور رسل و رسائل کا مرکز ہے۔ دوسرا اہم اور مرکزی شہر شنگھائی ہے جو تجارت و صنعت کا مرکز اور سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔ اس شہر کی آبادی ایک کروڑ آٹھ لاکھ بیس ہزار ہے۔ یہ دُنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ تین سو برس پہلے یہ مچھیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی جو بڑھتے بڑھتے بہت بڑی بندرگاہ بن گئی۔ اس کے علاوہ کینٹن، ووہان اور مکڈن مشہور شہر ہیں۔ قومی و سرکاری زبان چینی ہے۔ مذہب بُدھ مت ہے، پیداوار اور تجارت کے وسائل چاول، کپاس، گندم، چینی، چائے، کوئلا، سگرٹ، لوہا، تیل، سوت، سوتی کپڑا، کاغذ، نمک اور چمڑا ہیں۔ گھڑیاں، سائیکلیں، کپڑا سینے کی مشینیں تیار کرنے کی صنعتیں ترقی پر ہیں۔ سِکّے کا نام یوآن "چینی ڈالر" ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش سے ۳ ہزار سال پہلے بھی چین دُنیا کا تہذیب یافتہ ملک سمجھا جاتا تھا۔ چین کے جس شہنشاہ

کا ذکر تاریخ میں تفصیل سے موجود ہے، اس کا نام فُوہی تھا۔ وہ ۲۷۳۸ قبل مسیح سے ۲۶۵۲ ق۔م تک حکمران رہا۔ چینیوں نے اسے دیوتا کا درجہ دے رکھا تھا۔ ۲۴۶ قبل مسیح میں شاہ ہوانگ کے دور میں مشہور دیوارِ چین تعمیر ہوئی۔

موجودہ چین کی شاندار ترقی ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کے لیے ایک روشن مثال ہے۔ اس قوم نے مختصر مدت میں جتنی تیزی سے ترقی کی ہے اُس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی۔ چین کے لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہیں۔ سارا ملک نہایت صاف ستھرا ہے۔ عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے گھر صاف ستھرے اور کھلے ہیں۔ ایک کمرے میں کم سے کم دو یا زیادہ سے زیادہ تین چار افراد رہتے ہیں۔ باورچی خانوں کا اکثر معائنہ ہوتا رہتا ہے۔ جہاں گندگی پائی جاتی ہے وہاں جُرمانے کیے جاتے ہیں۔ چین میں چوریاں عموماً نہیں ہوتیں۔ ایک برطانوی رپورٹر خاتون کے مطابق چار مہینے کے عرصے میں صرف ایک سائیکل کی چوری کی مثال مل سکی۔ وہاں کوئی طالبِ علم کسی قسم کا جُرم نہیں کرتا، اپنی پڑھائی سے غرض رکھتا ہے۔

چین میں آج سے دو ہزار سال پہلے جڑی بوٹیوں سے علاج کیا جاتا تھا۔ آج بھی وہاں مغربی دواؤں اور جدید طب کی ترقی کے ساتھ ساتھ جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کیا جاتا ہے۔ چین میں سوئیوں کے ذریعے سے بھی علاج کیا جاتا ہے جس کو اکیوپنکچر کہتے ہیں۔ یہ طریقِ علاج دوسرے ملکوں میں مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ چین کے لوگوں کو اپنی قدیم طب سے بڑی محبت ہے۔

چین کی عوامی فوج کا بنیادی اصول یہ ہے کہ "اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ، سہارے تلاش نہ کرو۔" یہی وجہ ہے چینی فوجی عام لوگوں کی بہت قریب ہونے کے باوجود کوئی مدد یا تحفہ قبول نہیں کرتے تاکہ فوج کا کردار متاثر نہ ہو۔

چین میں چار بڑے دریا ہیں جو پہلے سیلاب سے بہت تباہی مچاتے تھے مگر اب سیلابوں پر قابو پا لیا گیا ہے اور پانی بڑے پیمانے پر استعمال میں لایا جاتا ہے۔ دریائے زرد چین کے سات بڑے صوبوں میں بہتا ہے اور اس کے ساحل پر ایک ہزار سے زیادہ بجلی گھر بنائے گئے ہیں۔ دو ہزار آبی ذخیرے تعمیر ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے چین کی زراعت میں بہت بڑا انقلاب آیا ہے اور اب چین کو باہر کے کسی ملک سے اناج نہیں منگانا پڑتا۔ چیئرمین ماؤ کا کہنا ہے "ہر لمحہ عوام کی خدمت کرو۔" اور یہ حقیقت ہے کہ اس پر عمل بھی ہوتا ہے۔

عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات، پہلی بار ۱۹۵۱ء میں قایم ہوئے تھے جب پاکستان نے نئے نئے آزاد ہونے والے ملک کو تسلیم کیا تھا۔ اس وقت دونوں ملکوں نے آپس کے احترام اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دینے اور بھائی چارے کے جذبے سے کام لے کر قریب تر آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پاکستان اور چین کے ان تعلقات اور دوستانہ رابطوں میں اضافہ ۱۹۵۵ء میں بنڈونگ کانفرنس سے ہوا۔ یہ کانفرنس انڈونیشیا میں ہوئی تھی اور پاکستان کی نمائندگی اس وقت کے وزیر اعظم جناب محمد علی بوگرا مرحوم نے کی تھی۔

چین اور پاکستان کے تعلقات اسی وقت سے بہت دوستانہ ہیں اور چین نے ہر نازک مرحلے پر پاکستان کی تائید اور حمایت کی ہے۔ عوامی جمہوریہ چین کو بہت بڑا صنعتی اور ترقی یافتہ مُلک بنانے کے لیے چینی عوام اپنے لیڈروں کی رہنمائی میں دن رات کوششیں کر رہے ہیں۔

ایجنٹ صاحبان سے

ہمدرد نونہال کے بعض ایجنٹ صاحبان اپنے آرڈر یا رسالے کی تعداد میں کمی بیشی کی اطلاع مہینے کے آخر میں دیتے ہیں۔ ہمارا دفتر رسالہ بھیجنے کی تیاری پندرہ تاریخ سے شروع کر دیتا ہے، اس لیے مہینے کے آخر میں کسی تبدیلی کی اطلاع ملنے پر تعمیل میں دقّت ہوتی ہے اور غلطی کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سارے ملک اور بیرونِ ملک بھی سینکڑوں ایجنٹ صاحبان ہمدرد نونہال فروخت کرتے ہیں اور دفتر کو ان کے پاس رسالہ بھیجنا ہوتا ہے، اس لیے دفتر کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ ایجنٹ صاحبان سے درخواست ہے کہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ تک آئندہ مہینے کے رسالے کے لیے اپنی فرمائش بھجوا دیا کریں، مثلاً اپریل کے مہینے کی فرمائش پندرہ مارچ تک بھجوا دی جائیں۔ اس طرح دفتر کو اور خود آپ کو بھی سہولت ہوگی۔

قمر علی عباسی

ہوا کی ہمدردی

گاؤں کے زمیندار کے لڑکے کی شادی تھی۔ تقریباً سارا گاؤں شادی میں شرکت کرنے کے لیے بیل گاڑیوں میں بیٹھ کر دوسرے گاؤں گیا ہوا تھا۔ دوپہر سے پہلے شادی ہوئی اور سہ پہر تک سب نے کھانا کھا لیا تھا۔ دُلہن کے گھر والوں نے بہت چاہا کہ سب لوگ رات کو وہیں ٹھہر جائیں اور صبح سویرے چل پڑیں، مگر دولھا کے گھر والے اور گاؤں کے لوگ اسی دن واپس ہونا چاہتے تھے۔ لہٰذا واپسی کی تیاری ہوئی۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ جلدی سے چل پڑنا چاہیے، کیوں کہ گاؤں ۱۲ میل دُور تھا اور راستے میں ایک خوف ناک جنگل پڑتا تھا اور کچھ دنوں سے یہ افواہ گرم تھی کہ ایک آدم خور شیر جنگل میں آگیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بیس بیل گاڑیوں کا قافلہ ہے گاتا بجاتا جائے گا۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔

برات کی واپسی میں دیر ہوگئی۔ اور جب یہ لوگ جنگل میں داخل ہوئے تو اس وقت سورج غروب ہونے والا تھا۔ پرندے چہچہاتے ہوئے جنگل کی طرف واپس آرہے تھے۔ سب گاڑیاں جنگل میں داخل ہوئیں تو عجیب سا سماں بندھ گیا۔ چرند اور پرندے اس قافلے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ سجی ہوئی گاڑیاں ایک قطار میں چل رہی تھیں کہ اگلی گاڑی کے آگے ایک بندر کود پڑا اور بیل ڈر کر بھاگا۔ اُسے بھاگتا دیکھ کر ایک دوڑ کا سا سماں پیدا ہوگیا۔ یکایک پچھلی گاڑی کا ایک پہیا نکل گیا اور وہ ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ گاڑی فوراً روک لی گئی۔ کچھ گاڑیاں تیزی سے آگے نکل گئیں۔ اِدھر اُدھر کی گاڑیوں سے نکل کر لوگ آگئے اور گاڑی میں بیٹھی ہوئی سواریوں کو اتارنے میں مصروف ہوگئے۔ عورتیں گاڑی سے اتریں تو بہت ڈری ہوئی تھیں۔ اس میں صرف دو مرد تھے۔ ایک گاڑی بان اور دوسرا اُس کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں لڑھک کر کچی زمین پر گر پڑے اور کپڑے جھاڑ کر اُٹھ بیٹھے۔ تھوڑی چوٹ بھی لگی تھی، لیکن شرمندگی اور کچھ شیخی کی وجہ سے چوٹ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔

گاڑی میں چند ننھے بچے تھے جن میں فاطمہ بھی شامل تھی۔ فاطمہ کی عمر چار سال تھی۔ وہ بڑی پیاری بچی تھی۔ اس کی ماں اسے بہت چاہتی تھی۔ برات میں جانے کے لیے اس کی ماں نے فاطمہ کو خوب چمک دار کپڑے پہنائے تھے۔ بالوں میں سُرخ رنگ کا ربن لگایا تھا جو ہوا سے اُڑتا تو بہت اچھا لگتا تھا۔ فاطمہ نے شادی میں خوب مزے کیے اور جب وہ سب واپس آنے لگے تو فاطمہ اور بچوں کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھ گئی۔ ماں کو اس میں جگہ نہ ملی اور جہاں ملی فاطمہ اس میں جانے

کو تیار نہ تھی۔ جس گاڑی میں فاطمہ بیٹھی تھی اس میں رنگ برنگے غبارے لگے تھے۔ غبارے تو اور گاڑیوں میں بھی لگے تھے، مگر ہوا سے سب پھٹ گئے تھے۔ اب صرف اسی گاڑی کے غبارے سلامت رہ گئے تھے اور فاطمہ اسی لیے اس گاڑی سے اُترنا نہیں چاہتی تھی۔ ماں اسے کسی طرح اپنے سے جُدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سب نے سمجھایا کہ بچّی اگر اس گاڑی میں بیٹھ گئی تو کون سی قیامت آگئی۔ اب سب گاڑیاں چلنے ہی والی ہیں۔ تھوڑی دیر میں سب گاؤں پہنچ جائیں گے۔ فاطمہ کی ماں کا جی اپنی بچی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتا، مگر مجبوراً دوسری گاڑی میں جا بیٹھی۔

تھوڑی دُور تو ماں اور فاطمہ کی گاڑی آگے پیچھے چلی اس کے بعد فاصلہ بڑھتا گیا اور بیچ میں کئی گاڑیاں آگئیں۔ فاطمہ کی ماں پریشان ہوتی رہی اور گاؤں نزدیک آتا رہا۔ جنگل میں گاڑی کا پہیا نکل جانے کی وجہ سے گاڑی اُلٹ گئی تھی۔ فاطمہ اسی گاڑی میں تھی۔ اور لوگوں کے ساتھ فاطمہ بھی نیچے اُتر گئی اور کچی پگ ڈنڈی کے نزدیک بیٹھ گئی۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ رنگ برنگے پروں والی ایک تتلی سامنے جھاڑیوں میں اُڑ رہی ہے۔ فاطمہ کو وہ تتلی بہت اچھی لگی۔ اس نے سوچا تتلی پکڑنی چاہیے۔ سب لوگ اپنے کام میں لگے ہوتے تھے۔ فاطمہ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور

تتلی پکڑنے آگے بڑھ گئی۔ جب وہ جھاڑی تک پہنچی تتلی اڑ کر دوسری طرف چلی گئی۔ فاطمہ جب اس جھاڑی تک پہنچی تو تتلی ہوا میں تیرتی ذرا اور آگے بڑھ گئی اور ایک پھول پر منڈلانے لگی۔ فاطمہ نے پکڑنا چاہا۔ تتلی پھر سے اُڑ گئی۔ وہ اس کے پیچھے دوڑی اور دو اُنگلیوں سے پکڑنا چاہا اس کے پَر فاطمہ کی انگلیوں میں آئے اور نکل گئے اور اپنا رنگ اس پر چھوڑ گئے۔

بس اب میں اس کو پکڑ لوں گی، فاطمہ نے سوچا اور آگے بڑھی۔ تتلی اس پھول سے اُس پھول پر اور اس جھاڑی سے اُس جھاڑی پر جاتی رہی۔ کبھی نزدیک آتی اور کبھی دور چلی جاتی۔ فاطمہ پیچھے بھاگتی رہی۔

جنگل میں ہلکا ہلکا اندھیرا ہونے لگا۔ سب نے جلدی جلدی پہیا گاڑی میں لگا کر چلنے کی تیاری کرنے لگے۔ انھوں نے دیکھا کہ فاطمہ غائب ہے۔ اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں ڈھونڈا اور یہ سوچ کر سب چل پڑے کہ وہ کسی نہ کسی اور گاڑی میں بیٹھ گئی ہوگی۔ بچی جو ہوئی۔ ماں نہیں تھی تو کسی نے پروا نہیں کی۔ گاڑیاں چل پڑیں اور جلدی جلدی جنگل پار کرنے لگیں۔ اب اندھیرا ہو گیا تھا اور جب یہ سب گاڑیاں بھگاتے ہوئے گاؤں میں پہنچے تو خوب رات ہو چکی تھی۔ کچھ گاڑیاں جو پہلے پہنچ گئی تھیں سامان اُتار رہی تھیں۔ فاطمہ کی ماں اپنی بچی کے لیے پریشان تھی اور بے چینی سے گاڑیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ جب سب گاڑیاں پہنچ گئیں تو اس نے فاطمہ کو تلاش کیا، فاطمہ نہیں تھی۔ ماں نے پاگلوں کی طرح دوبارہ گاڑیوں کو دیکھا، فاطمہ نہیں تھی۔ گاڑیوں کو اب سب نے اچھی طرح دیکھا، مگر فاطمہ نہیں تھی۔

فاطمہ نے دیکھا۔ چاروں طرف اندھیرا ہونے لگا تھا اور تتلی کہیں نہیں ہے ہے تو اس نے پلٹ کر دیکھا تو نہ کچی سڑک تھی نہ گاڑی۔ چاروں طرف جھاڑیاں تھیں، ڈراؤنے درخت اور اکا دُکا جانوروں کی آوازیں۔ بے چاری فاطمہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سسکیاں لینے لگی۔

"امی --- میری امی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

اس کی آواز سن کر کہیں سے ایک اُلو نے چیخ ماری اور فاطمہ ڈر کر رونے لگی۔

"امی، امی --- وہ بار بار پکار رہی تھی۔

جنگل میں اندھیرا ہو گیا اور چاروں طرف جنگلی جانوروں کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔ فاطمہ اور ڈر گئی اور زور زور سے اپنی ماں کو پکارنے لگی۔

جانور عجیب عجیب آوازوں میں چیخ رہے تھے۔ درختوں کی شاخوں پر کودنے پھاندنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یکایک ایک جانور فاطمہ کے اتنے نزدیک آ کر بولا کہ ڈر کے مارے فاطمہ کی آواز بھی بند ہو گئی۔ وہ کچھ دیر تک چیختا رہا، اس کے بعد چھلانگ لگا کر چلا گیا۔ فاطمہ کے ننھے مُنّے دماغ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اتنے میں بہت سے جگنو ایک دم سے اس کے پاس آ گئے۔ اُس نے ان جگمگاتے ہوئے جگنوؤں کو دیکھا تو ایک لمحے کے لیے روتے روتے چپ ہو گئی۔ کتنا مزہ آ رہا تھا۔

"ارے ارے کیا کرتی ہو؟" بہت سے جگنوؤں نے ہوا سے کہا۔

"کچھ نہیں، تمھیں ایک طرف لے جا رہی ہوں جہاں ایک ننھی مُنّی بچی اندھیرے میں بیٹھی ہے۔" ہوا نے جواب دیا۔

"لیکن ہم تو ...." جگنوؤں کا جملہ ادھورا ہی رہا۔

"خاموش رہو۔" ہوا نے

دھمکایا۔ "اگر زیادہ بات کی تو ایسا دھکا دوں گی کہ سارے پر گر جائیں گے۔ پھر ساری رات تم زمین پر پڑے جگمگایا کرنا۔"

"اچھا بابا!" جگنوؤں نے کہا، "لیکن وہ بچّی کہاں ہے؟"

"میں تمھیں اُسی طرف لے جا رہی ہوں۔" ہوا نے کہا۔

فاطمہ کے گرد بہت سے جگنو جمع ہو گئے اور خوب چمکنے لگے۔ اب اس کا ڈر ذرا کم ہوا مگر وہ سسکیاں لے رہی تھی، "امی، میری امی۔"

"ہم یہاں کب تک رہیں گے؟" جگنوؤں نے ہوا سے پوچھا۔

"جب تک ہم اس ننھّی مُنّی بچی کا انتظام نہیں کر لیتے۔" ہوا نے جواب دیا۔

"بہت بہتر۔" سب جگنوؤں نے ایک ساتھ جواب دیا اور چمکنے لگے۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" مشرق اور مغرب کی ہوا نے مل کر سوچا، "اس ننھی مُنّی بچّی کو کس طرح اس کی ماں کے پاس پہنچایا جائے۔" مشرق کی ہوا نے پوچھا۔

"صرف اس طرح کہ ہم اس کی ماں کو اطلاع کر دیں۔" مشرق کی ہوا نے بتایا۔

"ارے غضب ہو گیا، اس طرف بھیڑیا آ رہا ہے، اگر اس نے بچّی کو دیکھ لیا تو وہ کبھی بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔" مغرب کی ہوا نے کہا۔

"پھر کیا کریں؟"

"بالکل رُک جاؤ تاکہ اُس تک بچّی کی خوش بُو نہ پہنچ سکے۔"

دونوں ہواؤں نے سانس رُوک لیے۔ ہلتے ہوئے پتے، لہراتی ہوئی ہوا رُک گئی۔ بھیڑیا ایک جھاڑی سے نمودار ہوا اور دوسری طرف چلا گیا۔

"خدا کا شکر ہے بچی پر ظالم کی نظر نہیں پڑی۔" مشرق کی ہوا نے سکون کا سانس لیا۔

"لیکن ہم کب تک اس بچی کی حفاظت کریں گے۔ ہمیں جلدی سے کوئی مناسب انتظام کرنا چاہیئے۔"

فاطمہ تھوڑی دیر کو چُپ ہو گئی تھی پھر رونے لگی اور بار بار پکارنے لگی، "امّی۔ امّی۔"

"اگر ہم کسی طرح اس کی آواز گاؤں تک لے جائیں تو ــــ"

"ترکیب تو اچھی ہے، لیکن گاؤں تو بہت دور ہے۔" مشرق کی ہوا نے کہا۔

"لیکن ہم کوشش کریں تو شاید ــــ"

"ہمیں شمال اور جنوب کی ہوا سے بھی مدد لینی ہو گی۔" مشرق کی ہوا نے تجویز پیش کی، "آؤ ہم چلتے ہیں۔" دونوں ہوائیں برگد کے پیڑ کے پاس پہنچیں جہاں شمال اور جنوب کی ہوائیں سو رہی تھیں ــــ دونوں کو اُٹھایا گیا۔ نیند سے اُٹھیں تو دونوں نے انکار کر دیا، "ہم کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

لیکن پھر مشرق اور مغرب کی ہوا کی ضد پر دونوں وہاں پہنچیں جہاں بچی بیٹھی تھی۔ بچی کو سسکیاں لیتے اور ماں کو پکارتے دیکھ کر دونوں کو ترس آ گیا اور انھوں نے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

گاؤں میں عجیب سماں تھا۔ فاطمہ کی ماں بے چین تھی۔ اسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ بچی جنگل میں رہ گئی ہے۔ رات کے وقت کوئی بھی آدمی جنگل میں جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ سب لوگوں کا خیال تھا کہ بچی برات والے گھر میں رہ گئی ہے صبح آ جائے گی اور جو لوگ اس بات پر یقین کر رہے تھے کہ بچی جنگل میں رہ گئی ہے تو وہ اس بات کو سمجھ رہے تھے کہ اب تک یقیناً وہ کسی جانور کا نوالہ بن گئی ہے۔ گاؤں والوں کی شادی کی خوشیاں اَدھوری رہ گئی تھیں۔ فاطمہ کی ماں کی تڑپ کسی سے نہ دیکھی جا سکتی تھی۔ نوجوانوں نے جنگل میں جانے کی تجویز بھی پیش کی تو لوگوں نے انھیں سمجھایا کہ جان بوجھ کر موت کے منھ میں جانے سے کیا حاصل؟ صبح ہونے پر دیکھا جائے گا، لیکن فاطمہ کی ماں کسی طرح مانتی ہی نہ تھی۔ وہ اکیلی ہی جنگل جانے پر تیار تھی۔

اتنے میں فاطمہ کی رونے کی آواز سُنی۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی، "امی، امی۔"

ماں تڑپ اٹھی، "میری بچی کہیں نزدیک ہی ہے۔" وہ آواز کی طرف بھاگی۔ گاؤں کے لوگ سمجھے فاطمہ کی ماں پاگل ہو گئی ہے۔ لیکن پھر وہ آواز سب نے سُنی بہت نزدیک سے۔ واقعی فاطمہ اپنی ماں کو پکار رہی تھی۔

"بچی زندہ ہے اور گاؤں کے نزدیک ہی ہے، چلو اسے ڈھونڈنا چاہیئے۔" فاطمہ کا باپ بولا، "ہاں ہاں چلو!" بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔

"تم یہاں ٹھیرو ہم فاطمہ کو لے آتے ہیں۔" فاطمہ کے باپ نے فاطمہ کی ماں سے کہا۔

پھر سب گاؤں سے باہر نکلے۔ آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں، "امّی۔ امّی۔"

لوگ آگے بڑھتے رہے۔ ہر آواز پر یوں لگتا جیسے فاطمہ اب سامنے دکھائی دے گی۔

یہاں تک کہ لوگ چلتے چلتے جنگل کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں جاکر سب ایک لمحے کے لیے رُک گئے۔ آواز جنگل میں سے آرہی تھی۔ رات اور جنگل ــ اُسی وقت سب نے دیکھا کہ فاطمہ کی ماں جو اُن کے پیچھے چلی آرہی تھی جنگل میں داخل ہوگئی۔ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی جنگل میں چل پڑے۔ آواز اب بالکل نزدیک سے آرہی تھی۔ ماں آگے بڑھ رہی تھی۔ جانوروں کی آوازیں چاروں طرف سے آرہی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا لگتا جیسے کوئی جانور سامنے سے آنے ہی والا ہے۔ اندھیرے اور خوف کی ماں کو فکر نہ تھی وہ آگے بڑھتی جارہی تھی۔ آخر ایک جگہ سب نے حیرت سے دیکھا کہ سینکڑوں جگنو چمک رہے ہیں اور ایک پیڑ کی جڑ کے پاس فاطمہ بیٹھی ہوئی سسکیاں لے رہی تھی۔

"میری بچّی!" ماں نے اُسے سینے سے لگا لیا۔

بچّی ماں سے ایسی چمٹی جیسے وہ اُسے کبھی نہ چھوڑے گی اور ماں نے بھی اُسے اس طرح سینے سے چپٹا لیا جیسے وہ اس کے جسم کا ایک حصّہ ہو۔ گاؤں والوں نے دیکھا کہ جگنو آہستہ آہستہ اِدھر اُدھر اُڑنے لگے۔ پھر سب آہستہ آہستہ راستہ تلاش کرتے ہوئے گاؤں واپس آگئے۔

گاؤں والے اس بات پر حیران تھے کہ بچّی بہت آہستہ آہستہ پکار رہی تھی آخر اس کی آواز اتنی دُور گاؤں تک کیسے پہنچی۔ وہ ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے۔ مگر جواب دینے والا کوئی نہ تھا، اس لیے کہ ہوا بات نہیں کرسکتی۔

دُنیا کا سب سے بڑا ٹرک

امریکی کمپنی جنرل موٹرز نے دُنیا کا سب سے بڑا ٹرک تیار کیا ہے۔ یہ ٹرک ڈیزل سے چلتا ہے اور اس پر ۳۵۰ ٹن وزن لادا جاسکتا ہے۔ کمپنی کے ماہرین نے بتایا ہے کہ یہ ٹرک ۲۰ لاکھ گاف گیندیں لے جاسکتا ہے۔ اس کا جنریٹر اتنی بجلی پیدا کرسکتا ہے جو ساڑھے تین ہزار گھروں کے لیے کافی ہوگی۔ ۲۵۶ ٹن وزنی اس ٹرک کو کوئلے کی کانوں کے مقامات پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مرسلہ: محمد ہاشم مہدی، لائل پور

وطن کا نغمہ

عبدالغنی شمس

اے وطن تُو ہمیشہ سلامت رہے
دُور تجھ سے جہاں کی ہر آفت رہے
حشر تک تیری یہ شان و شوکت رہے
اپنی دھرتی یہ، اپنی حکومت رہے
اے وطن، تُو ہمیشہ سلامت رہے

رقص کرتی رہیں یہ ہوائیں تری
گنگناتی رہیں یہ فضائیں تری
یونہی قایم یہ دَورِ مسرّت رہے
اے وطن، تو ہمیشہ سلامت رہے

تیرے دریا کی موجیں مچلتی رہیں
کھیتیاں تیری سونا اُگلتی رہیں
ہر گھڑی ہر طرف امن و راحت رہے
اے وطن، تو ہمیشہ سلامت رہے

چَین کی بنسری سب بجاتے رہیں
تیرے بیٹے سدا مُسکراتے رہیں
عمر بھر سب میں اُنس و محبّت رہے
اے وطن! تو ہمیشہ سلامت رہے

چاند

علی ناصر زیدی

چاند ہماری زمین کا سیارہ ہے۔ یعنی وہ ہماری زمین کے چاروں طرف گھومتا رہتا ہے۔ جتنی مدت میں وہ ہماری زمین کے چاروں طرف ایک گردش پوری کرتا ہے اسے ایک عربی مہینہ کہتے ہیں۔ یعنی عربی مہینے چاند کی مدد سے شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ مدت تیس ۳۰ دن کے قریب ہے۔ زمین کے چاروں طرف گھومنے کے علاوہ چاند ہماری زمین کی طرح اپنے محور پر بھی گھومتا ہے لیکن کچھ ایسا اتفاق ہے کہ جتنے عرصے میں وہ زمین کے چاروں طرف ایک بار گھومتا ہے اتنے ہی عرصے میں اپنے محور پر بھی ایک بار گھومتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چاند کے دن رات ہمارے پندرہ پندرہ دن کے برابر ہیں اور زمین کے چاروں طرف گھومتے ہوئے اس کا ایک ہی رُخ ہماری طرف رہتا ہے ہم اس کا دوسرا رُخ دیکھ نہیں پاتے۔

چاند کی پیدائش

چاند ہم سے تقریباً ڈھائی لاکھ میل دور ہے اور وہ زمین کے مقابلے میں بہت چھوٹا ہے۔ زمین کا قُطر آٹھ ہزار میل کے قریب ہے۔ جبکہ چاند کا قطر دو ہزار میل سے کچھ زیادہ ہے۔ چاند کو دیکھتے ہی پہلے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ چاند آیا کہاں سے؟ اس سلسلے میں بعض سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ دراصل چاند اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جب زمین پر کسی قسم کی آبادی نہیں تھی بلکہ زمین خود آگ کا ایک دہکتا ہوا گولا تھی۔ اس وقت اس کی گردش بھی بہت تیز تھی۔ گھومتے گھومتے اس میں ایک ابھار پیدا ہوا اور وہ بڑھتا چلا گیا جس طرح کمہار اپنے چاک کی مدد سے گیلی مٹی پر ایک اُبھار پیدا کر کے اس سے برتن تیار کر لیتا ہے اور پھر اُسے علاحدہ کر لیتا ہے، اسی طرح یہ ابھار بھی زمین کی تیز رفتاری کی وجہ سے اس سے الگ ہو گیا اور گھومتا گھومتا دور نکل گیا اور پھر زمین کی کشش کی وجہ سے اس کے چاروں طرف گھومنے لگا۔ کہتے ہیں چاند ہماری زمین سے اس جگہ سے الگ ہوا تھا جہاں اب بحر الکاہل واقع ہے۔
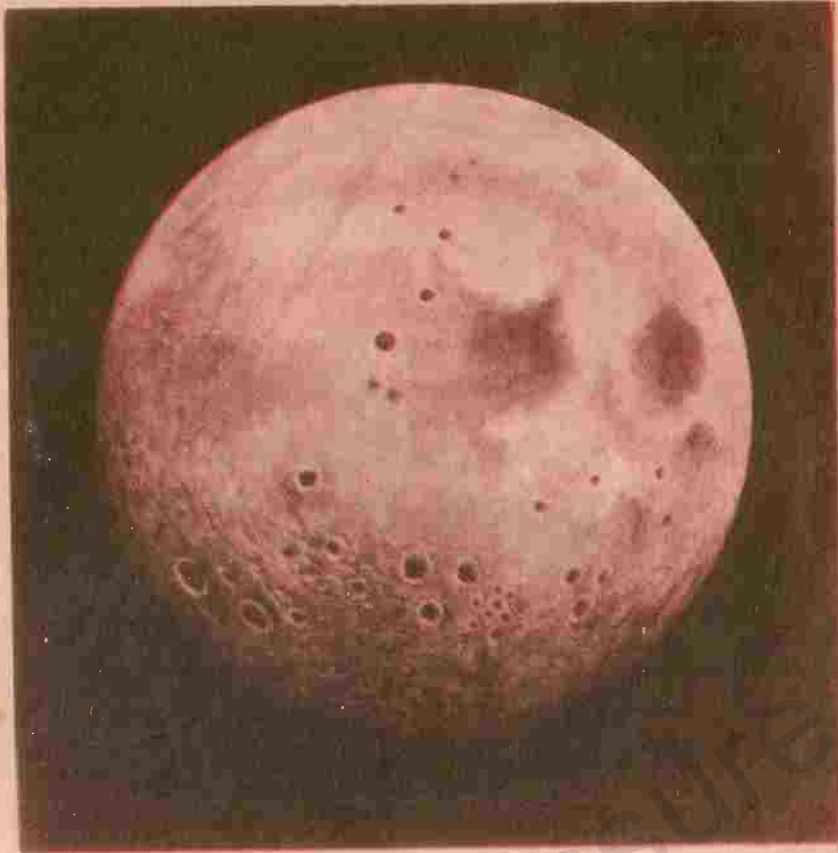
مستقل طور پر گھومنے کی وجہ سے چاند کی شکل گول ہو گئی۔ شروع میں وہ بہت گرم تھا۔ رفتہ رفتہ ٹھنڈا ہوا لیکن چوں کہ وہ زمین کے مقابلے میں چھوٹا ہے اس لیے اس کی کشش زمین کی کششِ ثقل کا صرف چھٹا حصّہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں زمین پر آپ کا توازن ۱۲۰ پونڈ ہے تو چاند پر صرف بیس ۲۰ پونڈ محسوس ہوگا۔ اب ذرا غور تو فرمایئے چاند پر کھیلوں کے کتنے اچھے ریکارڈ قایم ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ یہاں چھے فٹ اونچا کود سکتے ہیں تو چاند پر پورے ۳۶ فٹ اونچا کود سکیں گے۔ فٹ بال میں ٹھوکر ماردیں گے تو وہ اُڑتی چلی جائے گی اور آہستہ آہستہ نیچے گرے گی۔

چاند کی سطح

شروع میں چاند پر کچھ ہوا بھی موجود تھی، لیکن جب کشش کم ہو تو ہوا بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ اب چاند پر ہوا نہیں ہے، اسی لیے جو خلا باز وہاں گئے ہیں وہ اپنی ضرورت کی ہوا اور غذا بھی اپنے ساتھ لے کر گئے انھوں نے پریشر سوٹ استعمال کیا ورنہ ان کے جسم پھٹ جاتے۔ ہوا موجود نہ ہونے کی وجہ سے چاند بالکل ویران ہو گیا۔ نہ وہاں بارش ہوتی ہے، نہ پانی ہے، نہ نباتات، اور نہ کسی قسم کی حیات۔ چاند بالکل مردہ، بے رونق اور اُجاڑ دُنیا ہے۔ شروع میں چاند پر آتش فشانی بھی جاری رہی۔ بڑے بڑے آتش فشاں پہاڑوں نے لاوا اُگل کر چاروں طرف پھیلا دیا۔ ان پہاڑوں کے منھ اب بھی کُھلے ہوئے ہیں جنھیں ہم دہانے کہتے ہیں۔ یہی وہ دہانے ہیں جن کی وجہ سے چاند
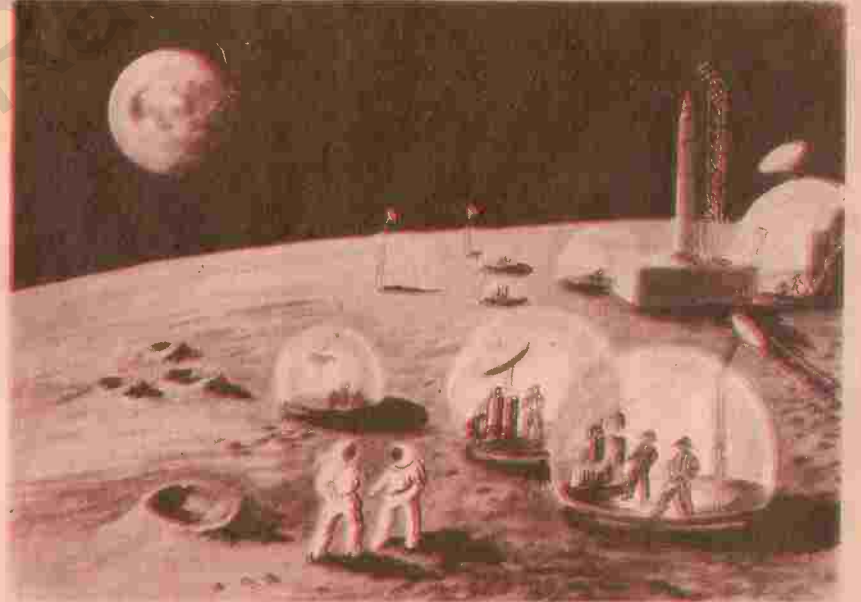
کے چہرے پر داغ نظر آتے ہیں۔ اب یہ آتش فشاں خاموش ہیں، لیکن یہ اتنے گہرے ہیں کہ زمین کا کوئی آتش فشاں اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

چاند پر پہاڑ بھی بہت اونچے ہیں، لیکن سب کے سب ویران، خشک اور اجاڑ ہیں۔ وہاں آپ کو وہ خوبصورت منظر کہیں نہیں ملیں گے جو ہماری زمین پر نظر آتے ہیں۔ چاند پر وسیع ریگستان بھی ہیں، لیکن وہ بھی ویران اور بد رونق۔ ہوا موجود نہ ہونے کی وجہ سے چاند پر کسی طرح کی کوئی آواز بھی نہیں سُنائی دیتی۔ آپ بھی وہاں وائرلیس سیٹ کے بغیر آپس میں بات چیت نہیں کرسکتے۔

شاید آپ سمجھتے ہوں کہ چاند خود چمکتا ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ چاند بھی ہماری زمین کی طرح سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے یعنی واپس بھیجتا ہے اور چمکتا نظر آتا ہے۔ چوں کہ دوسرے سیّاروں کے مقابلے میں ہم سے بہت قریب ہے اس لیے اتنا بڑا اور روشن دکھائی دیتا ہے۔ جو خلا باز چاند پر پہنچے انھوں نے وہاں سے اپنی زمین کو دیکھا تو وہ بہت ہی خوبصورت نظر آئی۔ ہماری زمین بھی اگر کسی دوسری دنیا سے دیکھی جائے تو وہ بھی چمک دار معلوم ہوگی۔

چھوٹا بڑا چاند

اب شاید آپ یہ دریافت کریں کہ چاند ہمیں گھٹتا بڑھتا کیوں نظر آتا ہے اور پھر یکایک کہاں پر غائب ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو ہم آپ کو یہ بتا دیں کہ چاند غائب کہیں نہیں ہوتا۔ وہ دنیا کے کسی نہ کسی ملک سے نظر آتا رہتا ہے۔ اگر آپ اُسے نہیں دیکھ سکتے تو کہیں اور سے نظر آرہا ہوگا۔ اگر وہ آپ کو آدھا نظر آرہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا آدھا حصّہ کٹ کر کہیں چلا گیا ہے، بلکہ اس وقت اس کے صرف آدھے حصے پر روشنی پڑ کر آپ کی طرف واپس آرہی ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے ملک سے وہ پورا نظر آرہا ہوگا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہماری زمین اپنے محور پر تیزی سے گھومتی رہتی ہے اور چاند زمین کے چاروں طرف گردش کرتا رہتا ہے۔ زمین اسے ایک بچے کی طرح اپنے ساتھ لیے سورج کے چاروں طرف گھومتی رہتی ہے۔ ہم مختلف اوقات میں اسے مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں، اس لیے وہ ہمیں کبھی باریک نظر آتا ہے، کبھی چوتھائی، کبھی آدھا، کبھی پورا اور کبھی کبھی بالکل غائب ہو جاتا ہے پھر ایک دو دن کے بعد نیا چاند نظر آجاتا ہے جس سے ہمارے عربی مہینے شروع ہوتے ہیں۔ پہلی رات کے باریک چاند کو ہلال اور چودھویں رات کے پورے چاند کو بدر کہتے ہیں۔ قدیم عربوں نے اس کی مستقل گردش کی وجہ سے ہی اس سے وقت ناپنے میں مدد لی اور ایک مہینے کا عرصہ مقرر کیا۔

اب تو انسان چاند پر پہنچ چکا ہے، لیکن جب نہیں پہنچا تھا تب بھی ہمیں چاند کے متعلق بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ انسان کے وہاں پہنچنے پر وہ سب باتیں صحیح ثابت ہوئیں۔ چاند پر کسی قسم کی آبادی موجود نہیں ہے، کیوں کہ وہاں نہ ہوا ہے نہ پانی نہ غذا۔ اُس کے دن رات بہت لمبے ہوتے ہیں۔ ہوا موجود نہ ہونے کی وجہ سے دن کے وقت وہاں کا درجہ حرارت پانی کے نقطۂ جوش سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے یعنی اگر وہاں پانی موجود بھی ہو تب بھی وہ اس زبردست گرمی کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً بھاپ بن کر اُڑ جائے۔ دن میں تو اتنی سخت گرمی ہوتی ہے اور رات کو اتنی سردی پڑتی ہے کہ ہماری زمین پر کہیں نہیں پڑتی۔ ظاہر ہے کہ انسان اتنی سخت گرمی اور سردی میں زندہ نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اس کے لیے کوئی معقول بندوبست نہ کرے۔

چاند پر انسانی بستی

اگر آئندہ کبھی سائنسدانوں نے یہ طے کیا کہ چاند پر انسانی بستی تعمیر کی جائے تو وہاں دوہرے پلاسٹک کی گنبد نما قیام گاہیں بنائی جائیں گی جن کے اندر ہوا اور آرام کی دوسری چیزوں کا انتظام ہوگا۔ یہ تمام چیزیں زمین سے ساتھ لے جانی پڑیں گی۔ بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ اگر تلاش کیا جائے تو چاند پر ایسی چیزیں مل جائیں گی جن سے ہم ضرورت بھر پانی اور غذا تیار کر سکیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چاند کی سطح کے نیچے پانی موجود ہو اور کھودنے پر نکل آئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چاند پر بعض قیمتی دھاتیں بھی مل جائیں گی جن کی ہمیں یہاں زمین پر ضرورت رہتی ہے۔

اب تک چاند پر جانے کے لیے نہایت قوی راکٹ استعمال کیے گئے ہیں۔ بہت سا ایندھن ساتھ لے جانا پڑا ہے۔ خود ایندھن کا بوجھ زیادہ ہو گیا، اس لیے سائنس دان برابر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی ایسا ایندھن مل جائے جس کا وزن تو کم ہو، لیکن اس سے قوت بہت زیادہ حاصل کی جا سکے۔ جوہری توانائی پر سب کی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ مستقبل میں جوہری توانائی سے چلنے والے راکٹ عام ہو جائیں گے تو چاند پر آنا جانا بھی عام ہو جائے گا۔ آج کے بچے جب بڑے ہوں گے تو بہت ممکن ہے کہ وہ چاند کی سیر کر آئیں۔

خون کی دھار

ہماری زندگی کا انحصار خون کی دھار پر ہے۔ ہمیں پتا بھی نہیں چلتا، لیکن ہمارے پورے جسم میں یہ دھار چلتی رہتی ہے اور ہر عضو کو زندگی اور توانائی فراہم کرتی ہے۔ خون نہ ہو تو زندگی کہاں؟ اسی لیے حادثے کے وقت ڈاکٹر سب سے پہلے خون بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر طبی امداد فراہم ہونے سے پہلے بہت سا خون ضائع ہو جائے تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ خواہ ہم جاگتے ہوں یا سو رہے ہوں، کام کر رہے ہوں یا خاموش بیٹھے ہوں ــــ خون ہر وقت ہمارے جسم میں چلتا رہتا ہے۔ اسے چلنے کی قوت خود ہمارا دل دیتا ہے جسے "جسم کا پمپ" کہا گیا ہے۔ سارے جسم کا سفر طے کر کے خون پھر دل میں واپس آجاتا ہے اور وہاں سے دوبارہ اپنے گشت پر روانہ ہو جاتا ہے۔ اس سفر میں ہمارا خون بہت سے کام کرتا ہے۔ اوّل تو ہر عضو کو توانائی بخشتا ہے، دوسرے اس میں جو گندگی جمع ہو جاتی ہے اُسے دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے ورنہ ہماری تمام وریدوں اور شریانوں میں میل بھر جائے اور ہم زندہ نہ رہ سکیں۔

خون کیسے رواں رہتا ہے؟ وہ ہر بار ایک ہی سمت میں کیوں چلتا ہے؟ یہ اور ایسے دوسرے کتنے دلچسپ سوالات آپ کے ذہن میں اٹھتے ہوں گے جن کے جواب ہم یہاں دیں گے۔ یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ خون کو رواں رکھنے کے لیے ہمارا دل قوت بخشتا ہے۔ ہمارے پورے جسم میں رگوں، وریدوں اور شریانوں کا جال پھیلا ہوا ہے اور قدرت نے ایسا انتظام رکھا ہے کہ خون کی روانی کی سمت ایک ہی رہتی ہے۔ ہمارا دل ہوتا تو چھوٹا سا ہے، مگر اُس میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اس کی شکل ہماری بند مٹھی جیسی یا ایک تھیلی جیسی ہوتی ہے۔ وہ ہمارے پھیپڑوں کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ یہ بڑا وفادار ساتھی ہے، کیوں کہ ہماری زندگی کے پہلے منٹ سے لے کر موت کے لمحے تک برابر حرکت کرتا۔ . . اور ہمیں زندہ رکھنے کی پوری کوشش کرتا رہتا ہے۔ ہمارے ہاتھ، پیر، آنکھیں، کان اور تقریباً تمام اعضا سونے کے دوران میں آرام پا لیتے ہیں، لیکن دل کو کسی وقت بھی آرام نہیں ملتا۔ دل اگر ٹھیر گیا تو زندگی پھر کہاں؟ دل کے ٹھیر جانے کا نام ہی تو موت ہے۔

جس طرح ہمارے گھر تک نلوں کے ذریعے پانی آتا ہے یا ہماری ٹنکی تک پانی جانے اور واپس آنے کے لیے الگ الگ نل یا پائپ لگے ہوتے ہیں، اسی طرح ہمارے جسم میں دل سے تمام اعضا تک خون کے جانے کے لیے الگ نالیاں موجود ہیں اور خون کی واپسی کے لیے الگ۔ یہ نالیاں بہت باریک ہوتی ہیں، ہم اُنھیں وریدیں اور شریانیں کہتے ہیں۔ شریانیں خون کو دل سے دُور لے جاتی ہیں اور وریدیں اُسے دل کی طرف واپس لاتی ہیں۔

اپنے سینے پر ذرا بائیں جانب ہاتھ رکھ کر دیکھیے۔ آپ کو دل کی حرکت صاف محسوس ہوگی۔ اس کی شکل ناشپاتی جیسی ہوتی ہے جیسے اُلٹا لٹکا دیا گیا ہے۔ دل اندر سے بہت کچھ خالی ہوتا ہے اور پٹھوں کے ذریعے دو مخصوص حصّوں میں بٹا ہوتا ہے۔ ہر حصّے کے اپنے دو دو حصّے ہوتے ہیں۔ بالائی حصّے ذرا چھوٹے اور زیریں حصّے کچھ بڑے ہوتے ہیں۔

بالائی خانے خون کو لینے کے لیے بنے ہیں جبکہ نچلے خانوں سے وہ جسم کے تمام اعضا کو سپلائی ہوتا ہے۔ شریانیں خون لے جاتی ہیں۔ اوپر کے دائیں خانے میں داخل ہو کر خون نچلے دائیں خانے میں آجاتا ہے اور اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے، لیکن صاف ہونے کے لیے اسے پھیپڑوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب خون جسم کا چکر لگانے کے بعد دل کی طرف واپس آتا ہے تو اوپر کے بائیں خانے میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں سے نچلے بائیں خانے میں آتا ہے اور ایک بڑی شریان

میں چلا جاتا ہے جسے اورطہ کہتے ہیں۔ وہاں سے وہ پتلی شریانوں میں پہنچتا ہے۔ آئیے خون کے ساتھ ساتھ چل کر دیکھیں کہ یہ سفر کیسے پورا ہوتا ہے؟

ہر بار جب بھی دل دھڑکتا ہے، وہ سکڑتا ہے جس طرح ہم کسی اسفنج کو بھینچ کر اُس سے پانی نچوڑ دیتے ہیں۔ جب بھی دل دھڑکتا یا بھنچتا ہے تو سُرخ خون بالائی بائیں خانے سے باہر آجاتا ہے۔ نکلنے کے لیے وہ ایک والو استعمال کرتا ہے۔ خون صرف ایک ہی سمت میں اس والو سے گزر سکتا ہے۔

نچلے بائیں خانے سے نکلنے کے بعد خون اورطہ میں داخل ہوتا ہے اور وہاں سے چھوٹی شریانوں میں چلا جاتا ہے جو اسے ہمارے جسم کے ہر حصے تک پہنچاتی ہیں۔ دل کی دھڑکن اس سفر کو جاری رکھتی ہے۔ یہی دھڑکن ہمیں اپنی نبض میں محسوس ہوتی ہے۔ نبض بھی ایک شریان ہی ہے جس سے خون گزرتا ہوتا ہے۔ طبیب یا ڈاکٹر نبض پر انگلیاں رکھ کر اندازہ لگا لیتے ہیں کہ خون کا دوران دُرست ہے یا نہیں۔ بیماری کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ بخار میں خون کا دوران تیز ہو جاتا ہے اور نبض بھی تیز چلتی ہے۔ بالغ انسان کی نبض کی رفتار ساٹھ سے ستر فی منٹ تک ہوتی ہے۔

خون جب تک شریانوں میں رہتا ہے، اس کی رنگت تیز سُرخ اور چمک دار ہوتی ہے۔ اُس میں آکسیجن گیس بھی موجود ہوتی ہے جو وہ ہوا سے حاصل کر لیتا ہے۔ جب وہ پھیپڑوں سے گزرتا ہے۔ آکسیجن کے بغیر ہمارا جسم کام نہیں کر سکتا۔ یہ ایک حیات بخش گیس ہے، اسی لیے ہسپتال میں ایسے مریضوں کو آکسیجن گیس دی جاتی ہے جن کی حالت نازک ہوتی ہے۔

شریانیں برابر باریک ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جب خون کسی بڑی شریان میں جاتا ہے تو وہاں سے ہی چھوٹی سے چھوٹی شریان میں چلا جاتا ہے۔ ہمارے جسم کے ہر حصّے میں ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ وہ شریانوں اور وریدوں کے درمیان ایک واسطے کا کام بھی دیتی ہیں۔ خون وریدوں کے ذریعے ہی دل میں واپس آتا ہے۔ وہاں سے پھر نئے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ پھیپڑے اُسے برابر صاف کرتے رہتے ہیں۔

خون کے سفر کے دوران اُس میں کئی تبدیلیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ آکسیجن اس سے جُدا ہو جاتی ہے اور ایک اور مادہ اس میں شامل ہو جاتا ہے جسے کاربونک ایسڈ کہتے ہیں۔ اسے فضلہ

سمجھیے، لہٰذا اُسے الگ کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ خون دل کی طرف واپس جاتے ہوئے یہ فاسد مادّہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اس فاسد مادّے کی وجہ سے خون کی رنگت بدل کر قدرے سیاہ ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے آپ صاف پانی میں ہاتھ دھو دیں تو وہ میلا ہو جاتا ہے۔ اس سیاہ خون میں بہت سے غیر خالص اجزا موجود ہوتے ہیں جن سے ہمارا جسم نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

واپسی کے سفر میں خون کی رفتار کچھ کم رہتی ہے، کیوں کہ سفر لمبا ہو گیا ہے۔ یہاں خون اپنا راستہ بدلنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے، اس لیے قُدرت نے جگہ جگہ والو کا انتظام کیا ہے۔ والو ایک ایسا پُرزہ ہوتا ہے جو خون یا پانی کو صرف ایک ہی سمت میں گزرنے دیتا ہے۔ واپس نہیں ہونے دیتا۔ یہ ضروری ہے کہ خون اپنی سمت درست رکھے، اس لیے جگہ جگہ والو لگے ہوئے ہیں۔ شروع میں خون واپسی کے لیے باریک وریدوں میں سے گزرتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اسے بڑی اور فراخ وریدوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ آخر میں خون ایک بڑی ورید میں داخل ہوتا ہے جو اسے دل تک واپس لے آتی ہے۔ وہ اب اس گندے خون کو اوپر کے دائیں خانے میں لاتی ہے، وہاں سے خون نچلے دائیں خانے میں آتا ہے۔ خون اسے پمپ کر کے ایک اور شریان میں بھیجتا ہے جو اسے پھیپھڑوں تک لے جاتی ہے۔ پھیپھڑے اس گندے خون کو صاف کر کے دوبارہ استعمال کے قابل بنا دیتے ہیں۔ تمام اوکسیجن بھی شامل ہو جاتی ہے، رنگت بھی درست ہو کر پہلی جیسی سُرخ اور چمک دار ہو جاتی ہے اور یہ خون دل میں پہنچ کر پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہے ہمارا دورانِ خون۔ اچھی غذا، صاف ہوا، ورزش، صاف پانی خون کو صاف رکھتے ہیں۔ ان پر توجہ دیجیے۔

ورق خود بخود اُلٹ سکتے ہیں

بیمار یا معذور حضرات کے لیے ایک آلہ تیار کیا گیا ہے جو ان کے سامنے رکھی ہوئی کتاب کا ورق خود بخود اُلٹ دے گا۔ بیمار جب ورق الٹنا چاہے گا، آہستہ سے پھونک مارے گا۔ اس آلے میں ننھے ننھے بٹن اور دو چھوٹے برقی موٹریں لگی ہوئی ہیں جو پھونک مارنے سے ورق اُلٹانے والے حصّے کو دائیں جانب گھما دیتے ہیں۔ جب یہ حصّہ واپس اپنی جگہ آجاتا ہے تو کتاب کے ورق بائیں جانب الٹ دیتا ہے۔

مرسلہ: محمد جمیل آرائیں، کوٹڑی

شولیم، شولیم، شولیم

عبدالکافی ادیب

کہتے ہیں پرانے زمانے میں ایک دفعہ ملکِ ایران کے ایک شہر میں چوری ڈاکے کے واقعات بہت بڑھ گئے تھے۔ چوروں کی ایک منظم ٹولی حیرت انگیز طریقوں سے امیروں اور تجارت پیشہ لوگوں کے مکانات میں نقب لگا کر چوری کیا کرتی تھی۔ چوروں کا یہ معمول تھا کہ ایک رات پہلے وہ اپنا ایک جاسوس کسی مال دار شخص کے پاس بھیجتے تھے۔ جاسوس مکان کا جائزہ لے کر اپنے ساتھیوں کو بتاتا کہ مال اور زیورات وغیرہ کہاں رکھے ہیں۔ اگلی رات کو جاسوس کے بتائے ہوئے پتے پر چور مکان میں نقب لگاتے اور مال لوٹ کر چلتے بنتے۔ شہر کے لوگ خوف زدہ تھے۔ پولیس نے چوروں کو پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بالآخر حاکمِ شہر نے اعلان کیا کہ جو کوئی چوروں کو گرفتار کروائے گا اسے ایک بہت بڑی رقم بطور انعام دی جائے گی۔

شہر کے وسطی حصے میں احمد نامی ایک سوداگر رہتا تھا۔ وہ نہایت عقل مند، نیک اور ایمان دار شخص تھا۔ اُس نے بیواؤں اور یتیموں کے لیے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ نہایت سادگی پسند شخص تھا۔ اس نے کبھی بھی گھر کی حفاظت کے لیے دربان مقرر نہیں کیے۔ ہمیشہ صلح صفائی سے کام لیتا تھا۔

چوروں کی بدنام ٹولی نے احمد سوداگر کے گھر پر ڈاکا ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور حسبِ معمول ایک رات قبل اپنے ایک جاسوس کو جائزہ لینے کے لیے احمد سوداگر کے مکان پر بھیجا۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ لوگ سو رہے تھے۔ جاسوس چور نہایت ہوشیاری کے ساتھ مکان کی چھت پر چڑھا اور جائزہ لینے لگا۔

مکان کے اندر احمد سوداگر بیوی بچوں کے ساتھ سو رہا تھا۔ اُس نے چھت پر جو آہٹ سنی تو سارا معاملہ بھانپ گیا کہ یقیناً چور بیٹھا ہے۔ اس نے اپنے حواس بجا رکھے۔ فوراً اُسے ایک ترکیب سوجھی۔ اُس نے بیوی کو جگایا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اسے اصل منصوبہ بتایا۔ چناں چہ منصوبے کے مطابق میاں بیوی میں یہ گفت گو ہونے لگی۔

بیوی: میں نے کہا، فریدون کے ابا! اتنا عرصہ گزرا مگر آپ نے مجھ سے یہ راز چھپائے رکھا کہ آپ کے پاس یہ اتنی ساری دولت اچانک کیسے آ گئی۔ حالاں کہ آپ کا خاندان تو بہت غریب تھا۔

میاں: نیک بخت، سو جاؤ، ایسی راز کی باتیں مجھ سے نہ پوچھو ورنہ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

بیوی: اے ہے، کیسی مصیبت۔ بھلا رات کے وقت کون ہماری بات سنے گا۔

میاں: واہ تم نے سُنا نہیں کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

بیوی: نہیں آج تو بتانا پڑے گا آپ کو۔

میاں: (زچ ہو کر) بڑی ضدی ہو حالاں کہ اس راز کا کسی کو پتا چل گیا تو میری گردن ماری جائے گی۔

بیوی: اللہ نہ کرے۔

میاں: اچھا تو سنو۔ میرا خاندان بہت غریب تھا۔ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔ میرے والد وفات پا چکے تھے۔ میں بھی محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگا۔ ایک روز تنگ آ کر میں جنگل کی طرف نکلا۔ وہاں ایک سادھو سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے سادھو کی خدمت کرنی شروع کر دی تاکہ اس سے کسی روز کیمیاگری کا گُر سیکھ لوں۔ چند مہینوں کی خدمت کے بعد سادھو نے مجھے ایک منتر بتایا جس کو پڑھ کر میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جاتا تھا اور پھر دوبارہ منتر پڑھ کر میں دیوار پر چڑھ کر اندر مکان میں کود پڑتا تھا مجھے چوٹ نہ آتی تھی۔ چناں چہ اس طریقے سے میں نے کافی دولت لُوٹی۔ لوگوں کو پتا تک نہ چل سکا۔ پھر میں نے توبہ کر لی اور لوٹی ہوئی دولت سے تجارت شروع کی اور خوب منافع کمایا۔

بیوی: (حیرت سے) اچھا تو یہ بات ہے، مگر منتر کے الفاظ کیا تھے، مجھے بھی سکھا دو۔

میاں: تم کیا کرو گی سیکھ کر؟

بیوی: (ضد کر کے) نہیں نہیں، یہ بھی بتا دو۔

میاں: تو لو وہ بھی سنو۔ اُس منتر کے الفاظ تھے۔ شولیم، شولیم، شولیم۔ بس لو اب تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔

اُوپر مکان کی چھت پر چور جاسوس نے نہایت غور کے ساتھ میاں بیوی کی یہ گفت گو سُنی۔ وہ دل میں بہت خوش ہوا کہ دولت کمانے کے لیے اُس نے ایک قیمتی منتر سیکھ لیا۔

اُس نے بیٹھے بیٹھے فیصلہ کر لیا کہ وہ ساتھیوں سے الگ ہو کر منتر کے ذریعے ڈاکے ڈالے گا۔ چناں چہ اُس نے منتر آزمانے کے لیے احمد سوداگر کا مکان منتخب کر لیا۔ وہ اٹھا اور تین مرتبہ لفظِ "شوئیم" پڑھ کر اُس نے نیچے صحن میں چھلانگ لگا دی۔

ایک چیخ بلند ہو گئی۔ چور صحن میں پڑا ٹانگ پکڑے ہائے ہائے کرنے لگا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ احمد سوداگر مسکراتا ہوا باہر آیا۔ اُس نے چور کے ہاتھ پاؤں باندھتے ہوئے کہا "پیارے! میں نے یہ دولت بڑی محنت سے کمائی ہے، تم غلط سمجھے۔"

احمد سوداگر نے چور کو پولیس کے حوالے کیا۔ پولیس نے اس چور کے ذریعے ٹولی کے باقی چوروں کو بھی گرفتار کر لیا۔ حاکمِ شہر نے احمد سوداگر کو بہت بڑی رقم انعام میں دی جسے اُس نے بیواؤں، یتیموں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔

اس روز کے بعد شہر میں چوری ڈاکے کی دوبارہ کوئی واردات نہیں ہوئی۔

پبلک ٹیلیفون سانس کی بیماریاں پھیلاتے ہیں؟

جی نہیں، یہ محض وہم ہے کہ جو ٹیلیفون بہت زیادہ لوگ استعمال کرتے ہیں، اُن کے ماؤتھ پیس پر بیکٹیریا پرورش پانے لگتے ہیں جو ہمارے منھ سے سانس کے راستے خارج ہوتے ہیں۔ بعد میں یہی بکٹیریا دوسروں کے پھیپڑوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ امریکن ٹیلیفون اینڈ ٹیلیگراف کمپنی کے میڈیکل ڈائریکٹر ڈاکٹر ایل ہالینڈ وٹنی نے اس سلسلے میں خاصے گہرے تجربات کرنے کے بعد اپنی رپورٹ مرتب کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بلا وجہ ماؤتھ پیس پر بکٹیریا جمع ہو جاتے ہیں، لیکن وہ پرورش پانے کے بجائے فوراً مر جاتے ہیں اور یہ بے ضرر بکٹیریا بھی زیادہ تر وہ ہیں جو گرد و غبار اور ہوا میں پائے جاتے ہیں۔ (مرسلہ: پرویز اختر زلفی۔ کراچی)

عبدالقادر شیخ

مندر کا راز

ملک کے جس دانش ور نے یہ طلسم بنایا تھا راجا نے اُس کو قتل کروا دیا تھا تاکہ اِس طلسم کے راز سے کوئی واقف نہ ہو جائے۔ صِرف راجا اور پُجاری ہی اِس راز سے واقف تھے۔

کسی ملک میں ایک راجا راج کرتا تھا۔ وہ بڑا ظالم تھا۔ رعایا اس کے ظلم سے بہت پریشان تھی۔ ملک میں بُت پرستی کا بڑا زور تھا۔ ملک کے ہر شہر اور ہر گاؤں میں کئی مندر تھے جہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ لوگوں کا بتوں پر بڑا اعتقاد تھا۔

راجدھانی میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس مندر کا پجاری سارے ملک کے پجاریوں کا گرو سمجھا جاتا تھا۔ راجا بھی اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ راجا نے اس کو جائز اور ناجائز بہت سی رعائتیں دے رکھی تھیں۔ وہ ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ ملک کے سارے لوگ اس سے ڈرتے تھے۔

ملک کا کوئی آدمی جب بھی راجا کے ظلم کے خلاف آواز اُٹھاتا تو جاسوس فوراً ہی راجا کو خبر کر دیتے۔ راجا پجاری کے ذریعے اس آدمی کے بلی دان کا حکم صادر کرا دیتا، یعنی اس آدمی کو قربان کر دیا جائے۔

لوگوں کا خیال تھا کہ دیوتا پجاری کو جس آدمی کے بلی دان کا حکم دیتا ہے وہ بڑا بھاگوان ہوتا ہے اور اس کی نجات یقینی ہے۔ ملک کے عام لوگ تو جاہل ہونے کی وجہ سے اس رسم کو اچھا سمجھتے تھے۔ لیکن جو سمجھ دار لوگ تھے وہ جانتے تھے کہ اس قربانی کی اصلیت کیا ہے؟ پر وہ مجبور تھے کہ ان کے پاس کوئی ایسی کوئی طاقت نہ تھی جس کے سہارے وہ راجا کو اس ظلم سے باز رکھ سکتے۔

مندر میں بلی دان کرنے کا جو طریقہ رائج تھا لوگ اُسے دیوتا کی کرامت سمجھتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ مندر میں جہاں تین سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، دیوتا تیسری سیڑھی پر بیٹھا ہوتا اور اس کے ہاتھ میں ایک تیر اور کمان ہوتی تھی۔ بلی دان کیے جانے والے آدمی کو بلی دان دینے سے تین دن پہلے مندر میں لا کر رکھا جاتا تھا اور غذا کے ساتھ نشہ آور چیزیں کھلائی جاتی

تھیں۔ اس غذا سے اس پر نشے کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور وہ سوچنے کی قوت سے محروم ہو جاتا تھا۔

دیوتا جن سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا تھا اُن کے نیچے اسپرنگ لگے ہوئے تھے۔ جب آدمی کو بلی دان کے لیے مندر میں دیوتا کے سامنے لایا جاتا تھا اور جب وہ پہلی سیڑھی پر چڑھتا تو دیوتا کھڑا ہو جاتا اور جب وہ دوسری سیڑھی پر قدم رکھتا تو دیوتا کے ہاتھ کا تیر کمان کھنچ جاتا اور جب وہ تیسری سیڑھی پر چڑھتا تو کمان سے تیر نکل کر آدمی کے دل کو چھید دیتا اور تیر لگنے سے آدمی تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔ لوگ اسے دیوتا کا معجزہ سمجھتے اور خوشی خوشی گھر لوٹ جاتے۔

ملک کے جس دانش ور نے یہ طلسم بنایا تھا راجا نے اس کو قتل کروا دیا تھا کہ کہیں اس طلسم کے راز سے کوئی واقف نہ ہو جائے۔ صرف راجا اور بڑا پجاری ہی اس راز سے واقف تھے، مگر مرتے وقت دانش ور نے اپنے بیٹے کو اس راز سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ اس کا ذکر لوگوں سے کیا کرتا تھا۔ یہ بات کسی نہ کسی طرح راجا کے کانوں تک پہنچی۔ راجا نے محسوس کیا کہ اگر اس کی زبان اسی طرح کھلتی رہی تو ایک نہ ایک دن رعایا باغی ہو جائے گی۔ چناں چہ راجا نے پجاری سے مشورہ کیا۔ پجاری کو بھلا کیا انکار ہو سکتا تھا۔ دوسرے ہی دن پجاری نے اعلان کر دیا کہ دیوتا نے دانش ور کے بیٹے کو بلی دان کے لیے منتخب کیا ہے۔ آج سے ٹھیک ایک ماہ بعد یہ رسم ادا کی جائے گی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اسلام دنیا کے بہت سے ملکوں میں پھیل چکا تھا۔ اس ملک میں بھی اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک مجاہد آیا ہوا تھا۔ دانش ور کا بیٹا اسلام کی صداقت پر دل سے یقین کر چکا تھا۔ جب دانش ور کے بیٹے نے اپنے بلی دان کا ذکر اس مجاہد سے کیا تو اس نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ خدا نے چاہا تو میں تم کو اس مصیبت سے ضرور نجات دلا دوں گا۔

آخر مجاہد نے پوشیدہ طور پر یہ سارے حالات معلوم کر لیے کہ کس طرح بلی دان دیا جاتا ہے اور اس نے یہ بھی تصدیق کر لی کہ دیوتا کا معجزہ اسپرنگ کا ایک کرشمہ ہے۔

جب مجاہد نے یہ سب کچھ معلوم کر لیا تو اُس نے دانش ور کے بیٹے کو سمجھایا کہ دیکھو،

جب تم مندر میں بلی دان کے لیے لے جائے جاؤ تو وہاں کا کھانا نہ کھانا۔ اس کے بجائے یہ چند گولیاں ہیں ان کو کھا لیا کرنا، ان سے تم کو بھوک پیاس نہیں لگے گی، لیکن تم ان کے کھانے کو چھپا دیا کرنا تاکہ پجاری کو شک نہ ہو سکے۔ دوسرے جب تم دیوتا کے پاس جاؤ تو جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھو تو دیوتا کے سامنے سے نہیں، بلکہ دائیں بائیں ہٹ کر قدم رکھنا تاکہ تیر تمھارے دل میں لگنے کے بجائے خالی نکل جائے۔

ادھر تو مجاہد نے دانش ور کے بیٹے کو یہ ساری باتیں بتائیں اُدھر اس نے اپنے ملک سے ایک فوج بلالی جو راجا کو اس کے ظلم کی سزا دے سکے۔ یہ سارے انتظامات ہو جانے کے بعد مجاہد اس دن کا انتظار کرنے لگا۔ جب بلی دان کا وقت آیا تو دانش ور کے بیٹے نے مجاہد کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کیا اور اس طرح دیوتا کے تیر کا نشانہ خالی گیا۔ لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ پجاری نے شور مچایا کہ قربانی کی رسم دوبارہ ادا کی جائے گی، لیکن اتنی دیر میں مجاہد اپنے بہادروں کو لے کر اندر گھس آیا اور دانش ور کے بیٹے کو مندر سے نکال کر باہر لے گیا۔ راجا اور پجاری گرفتار کر لیے گئے اور تمام لوگوں کے سامنے طلسم کا راز ظاہر ہو گیا۔ راجا نے سب کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کیا اور رعایا سے معافی مانگ لی۔

خبروں کا ادارہ

آپ روزانہ اخبارات میں بہت سی خبریں رائٹر (REUTER) کے حوالے سے پڑھتے ہوں گے۔ یہ برطانیہ کی سب سے بڑی خبر رساں ایجنسی ہے۔ اس کا شمار دنیا کی معتبر ترین خبر رساں ایجنسیوں میں ہوتا ہے۔ اس ایجنسی کی بنیاد ۱۸۵۰ء میں رکھی گئی۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا دفتر لندن منتقل ہو گیا اور آج صورت ہے کہ دنیا کے ۱۸۰ ممالک اور علاقوں میں رائٹرز کے ایک ہزار سے زائد خصوصی نمائندے ہر وقت خبریں فراہم کرنے اور ان کو بھیجنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا کی ۷۷ مختلف قومی اور مقامی خبر رساں ایجنسیوں سے بھی معاہدہ ہے۔ اس طرح بلا واسطہ طور پر ان ۷۷ خبر رساں ایجنسیوں کے ہزاروں نمائندے بھی رائٹر کے لیے کام کرتے ہیں۔ —— مرسلہ: روبینہ یاسمین۔ کراچی

شعبان کے اہم واقعات

ترتیب: شاہ حمید عطاء

شعبان المعظم ہجری سال کا آٹھواں مہینہ ہے، جس طرح اگست عیسوی سال کا آٹھواں مہینہ، آبان ایرانی سال کا آٹھواں مہینہ اور کاتک بکرمی سال کا آٹھواں مہینہ ہوتا ہے۔

لفظ "شعب" کے معنی علاحدہ کرنے کے ہیں۔

"شعبان" کا مطلب ہوا "جس میں علاحدگی اختیار کی جاتی ہو"۔ اہل عرب اس مہینے میں پانی کی تلاش میں جاتے تھے اور انھیں ایک دوسرے سے علاحدہ ہونا پڑتا تھا۔ شعبان کو مکرّم بھی کہا گیا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا۔" اس مہینے کی پندرہویں رات "شب برات" بڑی مبارک اور برکتوں والی رات ہے۔ سرکارِ دو عالم اس شب میں کثرت سے عبادت فرماتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ سال بھر کے احکامِ خداوندی اسی رات میں فرشتوں کو عمل درآمد کی غرض سے دے دیے جاتے ہیں۔

پندرہ شعبان کو روزہ بھی رکھا جاتا ہے۔

یکم شعبان ۴۵۶ھ: ابو محمد علی = ابنِ حزم کی وفات۔ ضلع لبلہ (اندلس) کے رہنے والے تھے۔ ابنِ حزم منطق کے عظیم ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

محدّث، فقیہ، مورخ اور بہت بڑے ادیب تھے۔ تعدادِ تصانیف ۴۰۰۔ شاعر اور
خطیب بھی اعلا درجے کے تھے۔ مشہور تصنیف: "المِلَل والنِّحَل" (مذاہب اور فرقوں
کے تقابلی مطالعے کے فن پر یہ پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔) اسپین (اندلس) کے مسلمان
علما میں سرِفہرست ہیں۔

۲ شعبان ۳۹۶ھ: خواجہ عبداللہ انصاری کی ولادت۔ لقب "پیرِ ہرات" کنیت:
ابواسمٰعیل۔ ہرات کے مشہور بزرگ اور صوفی۔ (ہرات دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے
ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ضحاک کی بیٹی کا نام "ہرات" تھا) یہ شہر افغانستان میں ہے۔

۳ شعبان ۴ھ: حضرت امام حسینؓ کی ولادت، مدینہ منورہ میں۔ کنیت (سید، سردار)
ابوعبداللہ۔ لقب: سید جوانانِ جنت۔

۴ شعبان ۷۶۱ھ: غرناطہ کا نواں حکمران سلطان اسمٰعیل مقتول ہوا۔ اسی سال
علاءالدین مغلطائی نے وفات پائی۔ محدث اور ماہر علم الانساب۔ سیرت النبیؐ بھی لکھی۔
(سنہ پیدائش ۶۸۹ھ)۔

۶ شعبان ۱۳۷۰ھ: (۱۳ مئی ۱۹۵۱ء) "سید الاحرار" سید فضل الحسن حسرت موہانی کا
لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (پیدائش: مئی ۱۸۷۵ء بہ مقام موہان، ضلع اُناؤ۔ یوپی)۔

۸ شعبان ۲۵۵ھ: ابوعبداللہ محمد المعتز باللہ نے وفات پائی۔ ۱۳ واں عباسی
خلیفہ۔ (پیدائش: ۲۳۲ھ، تختِ نشینی: ۲۵۲ھ۔)

۲۵۵ھ میں عربی زبان کے مشہور عالم الجاحظ (ابوعثمان عمرو) نے بھی وفات پائی۔ متعدد
علوم وفنون پر جاحظ کی تصانیف ہیں۔

۸ شعبان ۷۰۱ھ: غرناطہ کے دوسرے حکمران سلطان ابوعبداللہ محمد کا انتقال ہوا۔ ۳۰ سال
حکومت کی۔ سلطان محمد، محمد فقیہ کے نام سے مشہور ہیں، کیوں کہ انھیں کتب بینی کا بہت شوق تھا۔

۱۰ شعبان ۶۱۰ھ: خاندانِ موحدین کے چوتھے بادشاہ ابوعبداللہ محمد "ناصرالدین اللہ"
کی وفات مراکش میں۔

۱۵ شعبان ۲۶۱ھ: "سلطان العارفین" حضرت بایزید بسطامیؒ نے انتقال فرمایا (سنہ
وفات بقولِ دیگر ۲۶۴ھ) آپ کا نام طیفور تھا۔ ۱۸۸ھ میں بسطام (ایران) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد کا نام شیخ عیسیٰ تھا جو زرتشتی مذہب کو چھوڑ کر اسلام لائے تھے۔

۱۵ شعبان ۴۲۷ھ: علی "الظاہر الدین اللہ" فوت ہوا۔ مصر کا ساتواں عبیدی حکمران۔
(۴۱۱ھ میں حکومت سنبھالی)۔

۲۰ شعبان ۱۹۶ھ: ابوجعفر ہارون الواثق باللہ کی پیدائش۔ نواں عباسی خلیفہ۔ علم وفضل
کا بہت شائق تھا، اس لیے واثق کو "مامونِ ثانی" بھی کہا جاتا ہے۔

۲۳ شعبان ۱۴ عام الفیل:
ولادت سیدنا حضرت عمرؓ فاروق۔ کنیت: ابوحفص۔ آں حضرتؐ نے آپ کو فاروق کا
لقب عطا فرمایا تھا۔ آپ کے والد کا نام خطاب تھا اور والدہ کا نام خنتمہ تھا۔ آٹھویں پشت میں
حضرت عمر کا سلسلۂ نسب آں حضرتؐ سے جا ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق سابقین اولین اور عشرۂ
مبشرہ میں ہیں۔ ۵۳۹ حدیثیں آپؓ سے مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ اسلام لائے تو اسلام کو فتح حاصل
ہوتی۔ اُس روز سے اسلام عزت ہی پاتا گیا۔ (حضرت ابنِ مسعودؓ کی روایت)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمر فاروق (رض) اہلِ جنت کا چراغ ہیں"۔ "آسمان کا ہر
فرشتہ عمر (رض) کا وقار کرتا ہے"۔ "جتنے نبی مبعوث ہوئے ہیں ان کی امت میں ایک محدّث ضرور ہوا
ہے۔ اگر میری اُمت میں کوئی محدّث ہو سکتا ہے تو وہ عمر (رض) ہیں"۔ (لوگوں نے پوچھا کہ محدّث
کسے کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ (فرشتے) باتیں کریں۔)

آں حضرتؐ نے فرمایا، "عمر (رض) کے ذریعے سے خدا نے اسلام کی مدد کی"۔ "اگر میرے بعد کوئی
نبی ہوتا تو عمر (رض) نبی ہوتے۔ عمر (رض) اپنی خصلت میں موسیٰؑ جیسے ہیں۔ جس نے عمر (رض) سے بغض
رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ ہر نبی کے وزیر ہوتے ہیں۔ میرے وزیر ابوبکر (رض) اور عمر (رض)
ہیں"۔ حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے تھے: "میں اُس شخص سے بے زار ہوں جو ابوبکرؓ و
عمرؓ کو بھلائی سے نہ یاد کرے"۔

۲۳ شعبان ۷۷۳ھ: امام ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی کی تاریخ پیدائش۔ عظیم
محدّث اور بلند پایہ مورخ۔ تعداد تصانیف: ڈیڑھ سو۔
مشہور تصانیف: "فتح الباری" (صحیح بخاری کی شرح) "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" اور
"الدُّرر الکامنہ" مصر آپ کا وطن تھا۔ اسی سال مشہور مسلمان سیاح شرف الدین

ابو عبداللہ محمد ابنِ بطوطہ طنجہ میں پیدا ہوا۔ ۲۲ سال کی عمر میں سیاحت کے لیے گھر سے نکلا۔ اس کا سفرنامہ "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار" موجود ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ۷۷۹ھ میں وفات پائی۔

۲۵ شعبان ۱۰۵ ھج: نواں اُموی خلیفہ دمشق ابو خالد یزید (ثانی) کی وفات (تخت نشینی ۱۰۱ھ)

۲۷ شعبان ۲۰۲ھ، مامون الرشید کا وزیر فضل بن سہل قتل ہوا۔ فضل فلکیات کا بہت بڑا عالم تھا۔

۲۸ شعبان ۱۲۶۶ ھج (۹ جولائی ۱۸۵۰ء) سید علی محمد "باب" کو تبریز میں گولی ماری گئی۔ بابی تحریک کے بانی۔ پیدائش: ۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء شیراز (ایران)

اَب کچھ ایسے واقعات جو شعبان کے مہینے میں رُونُما ہوئے، لیکن صحیح تاریخیں دستیاب نہیں ہیں، اِس لیے صِرف سنہ لکھا جاتا ہے:

شعبان سنہ ۲ ھج: تحویلِ قبلہ۔ آیت نازل ہوئی۔ مسلمانوں کا قبلہ مکّہ معظمہ کی طرف ہو گیا۔ (بیت المقدس تقریباً ۱۶ ماہ تک مسلمانوں کا قبلہ رہا) بیت المقدس کی طرف منھ کر کے آں حضرتؐ اور دوسرے صحابہؓ کرام ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا۔ اس واقعے کی مناسبت سے اُس مسجد کا نام "مسجدِ قبلتَین" پڑ گیا۔

شَعْبان سنہ ۵ ہجری: غزوۂ بنو مُصطَلِق۔

شَعبان سنہ ۵ ھج: نماز کے وقت پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر لینے کا حکم نازل ہوا۔ (اسی سال عورتوں کو پردہ کا حکم دیا گیا۔ اسی سال مدینے میں پہلا وفد آیا جو قبیلۂ مزینہ کے ۴۰۰ افراد پر مشتمل تھا۔ ان سب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔ فاتح اصفہان حضرت نعمانؓ بن مقرن اسی قبیلے کے تھے۔)

شعبان سنہ ۹ ھج: آں حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت اُمِ کلثومؓ نے انتقال فرمایا۔ آں حضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

شَعبان سنہ ۱۳ ھج: جنگِ جسر (عراق)

شَعبان سنہ ۴۵ ھج: ام المومنین حضرت حفصہؓ نے انتقال فرمایا۔ آپ حضرت عمر فاروقؓ

کی صاحب زادی تھیں۔

شعبان سنہ ۵۰ھ: صحابیٔ رسولؐ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ کی کوفہ میں وفات۔ کُنیت: ابو عبداللہ۔

شعبان ۱۳۶ ھج: عباسی خلیفہ منصُور کے حُکم پر ابو مُسلم خُراسانی (نام: عبدالرحمٰن) قتل کر دیا گیا۔ اس کے زوردار پروپیگنڈے نے عباسیوں کو اپنی حکومت قایم کرنے میں بڑی مدد دی تھی۔

شعبان سنہ ۱۷۶ ھج: طلیطلہ (اندلس) میں عبدالرحمٰن ثانی کی پیدائش۔ اندلس کا چوتھا اُموی سُلطان عبدالرحمٰن کے دور میں عباس بن فرناس پیدا ہوا جو موجودہ ہوابازوں کا پیشرو تھا۔ عباس پہلی مرتبہ پرندوں کی نقل کرتا ہُوا ہَوا میں اُڑا اور ہوائی جہاز بنانے کا خیال پیش کیا۔ گھڑی بھی پہلی مرتبہ عباس نے ایجاد کی۔ مصنوعی بلّور (کرسٹل) کا موجد بھی عباس ابن فرناس ہی تھا۔

شعبان ۲۷۷ ھج: مشہور محدث امام ابوحاتم رازی نے وفات پائی۔ امام بخاری کے ہم عصر تھے۔ جرح اور تعدیل کے فن کے امام تھے۔ ۱۹۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔

شعبان سنہ ۲۹۰ھ: شمالی افریقہ کے اغلبی خاندان کا آخری حُکمران ابو مضر زیادۃ اللہ تخت نشین ہوا۔ اغلبی حکمرانوں نے سسلی (جس کو عرب صقلیہ کہتے ہیں)، مالٹا، اور سارڈینیہ اٹلی فتح کیے تھے۔ (سسلی (اٹلی) پر مسلمانوں کی حکومت پونے تین سو سال تک رہی.....

زیادۃ اللہ کے باپ دادا بڑے طاقت ور حکمراں تھے۔ بحیرۂ روم کے علاقے میں اغلبی بحری فوج کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اغلبیوں نے یونان، فرانس اور اٹلی کے ساحلوں پر بھی حملے کیے تھے، اسی لیے یہ قومیں، خاص طور پر فرانسیسی، اغلبی حکمرانوں سے خائف رہتے تھے۔

شعبان ۳۸۴ ھج: بیہق (نیشاپور) میں امام ابوبکر محمد بیہقی کی ولادت۔ مشہور محدث ہیں۔ سُنَنِ کبریٰ اور سُنَنِ صُغریٰ آپ کی مرتّب کردہ کتابیں ہیں۔ کچھ تصانیف اور بھی ہیں (وفات: ۴۵۸ ھج)

شَعْبان: ۴۹۰ھ۔ عیسائیوں نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ شہر میں گھُس کر صلیبی سورماؤں نے ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں کو قتل کیا۔

بیت المقدس کے راستوں پر ہر جگہ پر کٹے ہوئے سروں، ہاتھوں اور پاؤں

کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا۔ اس قدر خون بہا تھا کہ اس میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ یہ ایک عیسائی کا بیان ہے۔

(بحوالہ "تمدنِ عرب" از سید علی بلگرامی)

لیکن جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں مسلمانوں نے دوبارہ بیت المقدس حاصل کیا تو قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا ایک بھی واقعہ سننے میں نہیں آیا، یہاں تک کہ کسی فوجی قیدی کو بھی قتل نہیں کیا گیا۔ جو قیدی فدیہ ادا نہ کر سکے انھیں معاف کر دیا گیا—— سلطان معظم نے دس ہزار قیدیوں کا فدیہ خود اپنے پاس سے ادا کر کے انھیں رہا کر دیا۔

شعبان ۵۱۳ھ: کدگن (نیشاپور) میں خواجہ فریدالدین عطار پیدا ہوئے۔ (نام: محمد، والد کا نام، ابراہیم)۔

شعبان ۶۴۹ھ: عربی کے مشہور شاعر ابوالحسن یحییٰ ابن مطروح نے مصر میں وفات پائی۔

شعبان ۶۶۱ھ: ولادت: شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ "مخدوم الملک بہاری" خطاب۔ (قصبہ منیر، صوبہ بہار میں ہے)۔

شعبان ۷۷۴ھ: عماد الدین ابوالفدا اسمٰعیل ابن کثیر کی وفات۔ دمشق میں قبر ہے۔ ولادت: مجدل (شام) (۷۰۱ھ) حافظ ابن کثیر بہت بڑے مفسر، محدث اور مورخ تھے۔ مشہور تصنیف: "البدایہ والنہایہ" ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر ۷۶۷ھ تک کے واقعات پر مشتمل تاریخ ہے۔

شعبان ۸۱۷ھ: (بقول دیگر ۸۲۷ھ) ولادت: نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ۔ فارسی کے مشہور صوفی شاعر اور ادیب۔ آپ کا خاندان اصفہان میں آباد تھا۔ اپنی جائے پیدائش "خرجرد جام" کی مناسبت سے جامیؔ تخلص کرتے تھے۔

ایک رات کا پھول

میکسیکو میں ناگ پھنی کی قسم کا ایک پھول ہوتا ہے جسے سیرس (CEREUS) کہتے ہیں۔ یہ پھول رات کو کھلتا ہے، لیکن پورے سال میں صرف ایک رات۔ دُنیا میں کسی پھول کی عمر اتنی کم نہیں ہوتی جتنی سیرس کی۔ دُنیا کا ایک اور نادر پودا سلور سوارڈ (SILVER SWORD) ہے۔ یہ پودا بڑا خوبصورت اور چاندی کی طرح چمکتا ہے۔ جزائر ہوائی کے ایک جزیرے مُوئی (MAUI) میں پایا جاتا ہے اور وہ بھی ایک آتش فشاں کے دہانے پر۔ جزائر شرق الہند میں ایک پودا پایا جاتا ہے جسے لیپورٹیا (LAPORTEA) کہتے ہیں۔ یہ چھوٹے سے درخت کے مشابہ ہیں۔ اس کی پتیاں سبز اور ان پر زہریلے بال کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی جان دار اس درخت کو چھو لے تو اس قدر درد ہوتا ہے کہ ایک مہینے تک بھی نہیں جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی ایسے پودے پر گر جائے تو اس کی جان نہیں بچ سکتی۔ سب پودوں میں سب سے زیادہ گہری جڑیں الفافہ گھاس کی ہوتی ہیں۔ دو فٹ اونچی الفافہ گھاس کی جڑیں پانی کی تلاش میں چالیس پچاس فیٹ گہری اتر جاتی ہیں۔

مرسلہ: شاہین اقبال عثمانی، راولپنڈی

پھلوں کی نیند

اوکسیجن گیس، سبزی ترکاری اور ہر قسم کے پھلوں کے لیے مُضر ہوتی ہے۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ کھلی ہوا میں رکھی جانے والی سبزی ترکاری زیادہ جلد سڑ جاتی ہے۔ ماہرین نے تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر آپ پھل، سبزی یا ترکاری کو زیادہ دن کے لیے تازہ رکھنا چاہتے ہیں تو اوکسیجن کو اس تک پہنچنے نہ دیجیے۔

سوئیڈن کے سائنس دانوں نے خوراک محفوظ رکھنے کا ایک بالکل نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ اسے سائنس داں "خوراک کو سُلانے" کا عمل کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی ایسا پھل جو زیادہ جلدی سڑ جاتا ہو، اس کو حفاظتی ڈبوں میں رکھ دیا جاتا ہے جس میں ایسی مشین لگی ہوتی ہے جو اوکسیجن نکالتی ہے اور اس کی جگہ نائٹروجن پمپ کرتی ہے۔ اوکسیجن سے محروم ہوتے ہی پھل گہری نیند سو جاتے ہیں۔ اور اس وقت ہوش میں آتے ہیں جب انھیں دوبارہ کھلی فضا میں لایا جاتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس طریقے پر عمل کر کے ہم مچھلی اور دیگر جانوروں کا گوشت بھی محفوظ کر سکتے ہیں۔ مرسلہ: سلمان، رضوان۔ کراچی

آتشی بلّی

ایک ٹینک نما گاڑی بنائی گئی ہے جو آگ بجھانے کے کام آتی ہے۔ اس گاڑی کو آتشی بلّی (FIRE CAT) کا نام دیا گیا۔ جب آگ کی تپش یا دھواں بہت بڑھ جائے اور فائر بریگیڈ اس پر قابو نہ پاسکے تو آتشی بلی سے کام لیا جاتا ہے جو خود کار ہے۔ یہ بلی ایک گھنٹے میں ۱۲ سو گیلن پانی پمپ کرتی ہے اور پانی کو کسی بھی جگہ تیز دھار یا ہلکی پھوار کی صورت میں چھڑک سکتی ہے۔

مرسلہ: محمد طارق جاوید بھٹی۔ نیو ڈڈیال

پانی سے چلنے والی موٹر

اِٹلی کے ایک انجنیئر نے پانی سے چلنے والی ایک موٹر تیار کی ہے۔ اس نے یہ موٹر چلانے کا کام یاب تجربہ کیا ہے۔ اس اطالوی انجنیئر کا یہ دعوا ہے کہ ایسی موٹر کاریں تجارتی پیمانے پر تیار ہونے لگیں تو تیل کی کم یابی یا مہنگائی کی پریشانی نہ رہے۔ مرسلہ: فاروق حسن صدیقی۔ شیخوپورہ

علی اسد

انگریز ڈاکو

ایک زمانہ تھا کہ انگلستان میں سفر کرنا بڑا خطرناک کام ہو گیا تھا، کیوں کہ ہر جگہ ڈاکوؤں، لٹیروں سے مڈبھیڑ ہونے کا اندیشہ رہتا تھا۔ ان ہی ڈاکوؤں میں سے ایک ڈاکو تھا۔ نال لالیس جس کی وجہ سے ڈِک مارٹن اور اس کے والد کی سرائے میں گاہک کم ہو گئے تھے۔ چناں چہ یہ دونوں باپ بیٹے اکثر مالی مشکلات کے شکار رہنے لگے۔ اکثر اوقات یہ کرایہ بھی ادا نہیں کر پاتے تھے۔

ایک روز جب ڈک اپنے سفید گھوڑے اسٹار لائٹ ـــ مالش کر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے والد نڈھال چلے آرہے ہیں۔

باپ نے ڈک سے کہا، "بیٹا، میں نے بڑی مشکل سے تین مہینے کا کرایہ جمع کرلیا ہے ـــــ تم دوپہر سے پہلے پہلے اسے لے جاکر زمین دار کو دے دو ورنہ وہ بلا کی طرح ہم لوگوں پر

نازل ہو جائے گا، وہ بڑا سنگ دل آدمی ہے۔" یہ کہہ کر باپ نے بیٹے کو رپوں کی تھیلی دے دی اور پھر تاکید کی،

"دیکھو بیٹا، اِن رُپوں کی حفاظت بالکل اپنی جان کی طرح کرنا۔ اگر کہیں اس شیطان کے بچّے نے اسے لوٹ لیا تو پھر تمھارے گھوڑے اسٹار لائٹ کو بیچنا پڑ جائے گا۔"

ڈِک نے کہا، "باوا، آپ پریشان نہ ہوں۔ اسٹار لائٹ کو نہیں بیچنا پڑے گا۔ آپ کا رُپیہ میرے ہاتھوں میں محفوظ ہے۔"

اس کے بعد ڈِک نے رُپوں کی تھیلی اپنی جیب میں رکھی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ اپنے گھوڑے سے باتیں کرنے لگا، "ہاں دوست، بڑھے چلو! یوں کہنے کو تو ڈاکو کا گھوڑا خیال سے بھی زیادہ تیز ہے مگر چھلانگ لگانے میں تم سے بہتر کوئی نہیں۔"

چناں چہ راستے میں جہاں کہیں کوئی رُکاوٹ درپیش ہوتی اسٹار لائٹ اس پر چھلانگ لگا لیتا اور پار نکل جاتا۔ ڈِک اُس وقت بڑا مگن ہو رہا تھا۔ اسے اپنے گھوڑے کی تیزی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ایک جگہ پر ایک ندی ملی گھوڑے نے اس پر بھی چھلانگ لگا دی اور اسے بھی پار کر لیا۔ اس چھلانگ کے بعد ڈِک نے دل ہی دل میں کہا، "ایسی چھلانگ نال لالیس لگائے تو جانیں!"

عین اسی وقت درختوں کی آڑ میں نال لالیس اپنے گھوڑے پر سوار دُور سے ڈِک کو آتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھا۔ اس نے پستول کا گھوڑا چڑھایا اور سوچنے لگا، "یہ نوجوان تو بڑی جلدی کر رہا ہے۔ شاید اس سے مجھے کچھ رُپے وصول ہو جائیں۔"

پھر دوسرے ہی لمحے ایک نقاب پوش سوار نے ڈِک کا راستہ روک لیا۔ ڈاکو نے پستول دکھا کر کہا، "رُک جاؤ اور جو کچھ ہے دے دو۔"

ڈِک فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی بدنام زمانہ ڈاکو لالیس ہے۔ اس وقت غصے سے ڈِک کی آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں، وہ چلّایا،

"کتّے! میں تجھے ایک گھونسے کے سوا اور کچھ نہ دوں گا۔" لیکن ڈِک کا گھوڑا گھبرا کر جو اچانک رُکا تو رُپوں کی تھیلی زمین پر گر پڑی۔ ڈِک نے اپنی جان پر کھیل کر تھیلی اٹھانے کے لیے گھوڑے کی پیٹھ پر سے زمین پر جست لگا دی، مگر اتنے میں ڈاکو نے گولی چلا دی، "احمق لڑکے، دیکھ تجھے

کیسا سبق دیتا ہوں۔" لہٰذا رُپوں کی تھیلی ڈِک کی گرفت سے نکل کر دُور جا گری۔ اتنے میں ڈاکو نے پستول کا دستہ ڈِک کے سر پر دے مارا اور بولا، "بچّو، تمھاری اس تیزی کو ختم کرنے کے لیے تمھارا سر توڑ دینا چاہیے۔"

یہ واقعہ ایک پُل پر پیش آیا تھا۔ ڈِک زخمی ہو کر سیدھا ندی میں گر گیا اور ڈاکو رُپوں کی تھیلی لے کر وہاں سے چمپت ہو گیا۔

ڈِک چوں کہ بے ہوش بھی ہو گیا تھا لہٰذا وہ ندی میں ڈوب کر مر جاتا مگر اُس کا وفادار گھوڑا فوری ندی میں چلا گیا اور اپنے دانتوں سے ڈِک کے کپڑے پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا ندی کے باہر نکال لایا۔ جب تھوڑی دیر بعد ڈِک کو ہوش آیا تو اُسے رُپیہ ضائع ہو جانے کا بڑا ملال ہوا، وہ اپنی بے بسی پر بے حد افسوس کرنے لگا۔ ڈاکو کا اب وہاں نام و نشان بھی نہ تھا۔ ڈِک گھوڑے کو لے کر دو چار ہی قدم چلا تھا کہ اسے ایک درخت پر ایک اعلان دکھائی دیا۔ اعلان میں لکھا تھا:

تین سو پاؤنڈ انعام

"ڈاکو نال لالیس کو زندہ یا مُردہ گرفتار کرنے والے کو ۳۰۰ پاؤنڈ کا انعام ملے گا"

اور پھر اسی جگہ پر ڈِک کو گھوڑے کی ایک نال نظر پڑی۔ اس نے جھک کر اُسے اُٹھا لیا اور سوچنے لگا، "اچھا تو اس نالائق کے گھوڑے کی ایک نال نکل گئی ہے۔ پھر تو گھوڑے کے نشانات آسانی سے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ اب تو میں اس ڈاکو کو گرفتار کر کے ہی دَم لوں گا۔"

چناں چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ڈاکو کے گھوڑے کی ٹاپوں کے نشانات دیکھتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا، لیکن تھوڑی دُور جا کر یہ نشانات مدّھم ہو گئے اور پھر ایسی سخت زمین آ گئی جس پر گھوڑے کی ٹاپوں کے نشانات کا ملنا ناممکن تھا۔ ڈِک سوچنے لگا، نہ جانے ڈاکو کس طرف نکل گیا!

مجبور ہو کر ڈِک پھر سرائے کی جانب لوٹا۔ جب وہ سرائے کے قریب پہنچا تو اندر سے زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ ڈِک بڑا فکر مند ہو گیا۔ اب جو وہ دروازے کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے والد اور زمیندار کھڑے زور زور سے باتیں کر رہے ہیں۔

اس کے والد کہہ رہے تھے "حضور، میں آپ سے کہتا ہوں کہ میرا بیٹا آپ کا رُپیہ دینے گیا ہوا ہے، وہ آپ کے کارندے کو رُپیہ دے آئے گا۔"

زمین دار بولے "یہ خود تمھارے لیے اچھا ہوگا، کرایہ بہت چڑھ گیا ہے۔ میں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ اب میں کوئی عُذر نہیں سنوں گا۔"

اتنے میں ڈک کے والد کی نظر ڈِک پر جو پڑی اور ڈک کو پریشان حال دیکھا تو وہ بولے، "کیوں بٹیا، کیا ہوا؟ زمین دار صاحب کے کارندے کو رُپیہ دے آئے؟"

ڈِک بولا "جی نہیں، ڈاکو نال لالیس نے مجھے راستے میں لوٹ لیا۔"

یہ سُن کر زمین دار غصّے سے آگ بگولہ ہوگیا۔ وہ چلّا کر بولا "میں جانتا تھا کہ تم ایسی ہی کوئی بات کہہ دو گے۔ یاد رکھو اگر رات تک رُپیہ نہ دیا تو تمھیں سرائے کے باہر نکال دیا جائے گا۔"

ڈک کے والد بولے "آپ کو آپ کا رُپیہ مل جائے گا زمین دار صاحب، رُپیہ حاصل کرنے کا ابھی ایک ذریعہ اور باقی ہے۔"

یہ سُن کر ڈِک کا دِل دھک سے رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنا چہیتا گھوڑا علاحدہ کرنا پڑے گا۔

ڈک کے والد بولے "بٹیا، مجھے افسوس ہے۔ میں مجبور ہوں، اب تم اپنے گھوڑے کو فروخت کرنے کے لیے جاؤ۔ رِنگلی کے مقام پر جو میلا لگا ہے وہاں جا کر اُسے بیچ ڈالو۔ تم کو اس کی اچھی قیمت مل جائے گی۔ پھر ہم چھے مہینے کا کرایہ ادا کرسکیں گے۔"

ڈِک بولا "باوا، میں جانتا ہوں۔ اس ڈاکو نے مجھے میرے بہترین دوست سے جُدا کروا دیا ہے۔"

چناں چہ جب وہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر آخری بار زین لادنے لگا تو وہ گھوڑے کو ایک سیب دے کر کہنے لگا "لو، آخری بار میرے ہاتھ سے سیب کھالو۔"

اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میلے کی جانب روانہ ہوگیا۔ جب وہ اس جگہ پہنچ گیا تو اس نے دیکھا کہ میلے میں ہر شخص خوش نظر آرہا ہے۔

ڈک نے اپنے گھوڑے سے کہا "میاں اسٹار لائٹ، ہمارے اور تمھارے سوا سب لوگ خوش ہیں۔ اب ہماری اور تمھاری جُدائی کی گھڑی آپہنچی ہے۔"

پھر ڈِک گھوڑے کے ایک ایک خریدار سے بھاؤ تاؤ کرنے لگا۔ آخر کار ایک آدمی سے سودا طے ہوگیا۔

خریدار اب رُپے دینے ہی والا تھا کہ اتنے میں ڈک کی نظریں قریب سے گزرنے والے ایک گھوڑے کی نال پر پڑ گئیں۔ اب جو اس نے اس گھوڑے کی ٹاپوں کے نشانات دیکھے تو وہ چلّا اٹھا "ارے یہ تو اسی ڈاکو کے گھوڑے کے نشانات ہیں۔ وہ سوار یقیناً وہی ڈاکو ہوگا۔"

بس پھر کیا تھا۔ ڈک کُود کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا اور آگے جانے والے سوار کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ گھوڑے کا خریدار بھونچکّا رہ گیا۔ ڈک بڑی تیزی سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ میلے کے بازار میں ایک ہل چل مچ گئی۔ لوگ اِدھر اُدھر

بھاگنے لگے تاکہ ڈِک کے گھوڑے کی ٹاپوں سے رُوند نہ جائیں۔

ادھر ڈاکو کو یہ معلوم نہ تھا کہ کوئی اس کو پکڑنے آرہا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتار لی اور سوچنے لگا، یہاں ساہوکاروں کے پاس اچھی خاصی رقم ہوگی، کیوں نہ ان کا تھوڑا بوجھ کم کر دیا جائے۔ ساہوکار اپنی اپنی دکانیں لگائے کار بار میں مصروف تھے کہ ڈاکو اُن کے سر پر آپہنچا "لاؤ رقم، ورنہ گولی ماردوں گا۔"

ساہوکاروں نے ڈاکو کو جو دیکھا تو وہ اُسے پہچان گئے "ارے بابا، یہ تو لالیس ہے!" وہ سہم کر بولے۔ ڈاکو نے تیزی سے سونے چاندی کے تھیلوں کو سمیٹنا شروع کر دیا۔

ادھر ڈِک گھوڑا اُڑاتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اس کے سامنے ایک گھوڑا گاڑی آگئی۔ ڈک نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ــــ جھٹ سے گھوڑے کو ایڑ لگادی اور گھوڑے نے ایسی چھلانگ ماری کہ وہ گھوڑا گاڑی کے اوپر سے گزر گیا۔ تمام دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

اُس وقت ڈاکو سونا چاندی لُوٹ کر واپس ہو رہا تھا کہ اتنے میں اس نے اپنے پیچھے شور و غل جو سُنا تو مُڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

ایک راہ گیر چلّایا "یہ لڑکا اس ڈاکو کو پکڑنے جارہا ہے!"

ڈاکو بھاگتے بھاگتے پستول ڈِک کی طرف اٹھا کر چِلّایا "بھاگ جاؤ ورنہ میں گولی چلادوں گا۔"

ڈِک چلّایا "چلادے گولی۔"

ڈاکو نے گولی چلادی، مگر نشانہ خطا ہوگیا، کیوں اسٹار لائٹ نے اتنی دیر میں ایک زبردست چھلانگ اور لگادی تھی۔ لوگ بڑے اشتیاق سے اس بھاگ دوڑ کو دیکھ رہے تھے۔

"وہ دیکھو، لڑکا اب ڈاکو کے بالکل قریب پہنچ گیا ہے۔" ایک راہ گیر چلّایا۔

ایک دوسرا آدمی چلّایا "بچّہ دیکھنا، ڈاکو کے پاس ایک پستول ابھی اور ہے!"

ڈاکو نے اپنا دوسرا پستول اٹھایا۔ اب ڈک ڈاکو کے بالکل قریب آگیا تھا۔ دونوں گھوڑے برابر برابر دوڑ رہے تھے۔ ڈک نے سوچا کہ اب خود مجھے چھلانگ لگانا چاہیئے۔ چناں چہ اس نے چھلانگ لگادی اور ڈاکو پر کُود پڑا اور اس کے پستول والے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو کر گھوڑے سے زمین پر آگرے۔ ڈِک نے پھُرتی سے ڈاکو کو زیر کر لیا اور اس کے سینے پر چڑھ

بیٹھا۔ تمام لوگ ڈنڈے لیے دوڑ پڑے اور ڈک کا ساتھ دینے لگے۔ چناں چہ ڈاکو کو گرفتار کر لیا گیا۔

ڈِک اُس پولیس افسر کو جس نے ڈاکو کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا، مخاطب کر کے بولا "اس لٹیرے نے میرے رُوپے چھین لیے تھے وہ مجھے اس سے واپس لینے ہیں۔"

پولیس افسر بولا "گھبراؤ نہیں برخوردار، تم کو وہ رُوپے بھی ملیں گے اور ان کے علاوہ تین سو پاؤنڈ کا انعام بھی ملے گا۔ اس ڈاکو کی گرفتاری کے سلسلے میں۔"

چناں چہ گھنٹہ بھر بعد ڈِک اپنا رُپیہ اور انعام کا رُپیہ لے کر گھر آگیا اور گھوڑا نیچے بغیر زمین دار کا کرایہ ادا کر دیا۔ جو آدمی گھوڑا خریدنے والا تھا اُس نے ڈک کو اس معاہدے سے بری کر دیا، کیوں کہ رقم ابھی ادا نہیں کی گئی تھی۔

پھر رات کو سرائے میں خوب جشن منایا گیا۔ تمام دوست جمع ہوئے اور ڈِک کے والد نے ہر ایک کو خوب کھلایا پلایا پھر سب لوگ خوش خوش اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔

نونہال مُصَوّر

سیّد آفتاب علی شاہ جیلانی۔ خیرپور میرس

الوَر محمود انصاری، کراچی

تسنیم کوثر، گنڈاپور، ہنگو

خورشید جمال۔ کراچی

س : یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ غیر تعلیم یافتہ لوگوں سے دستخط کے بجائے انگوٹھے کا نشان کیوں لگوایا جاتا ہے؟ کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟ (جمیل، کراچی)

ج : انگلیوں کے نشانات کے ذریعے سے کسی آدمی کی نشان دہی یا شناخت کا علم پُرانے زمانے کے مشرقی علوم میں سے ایک علم ہے۔ تاریخ میں ذکر ملتا ہے کہ بڑے اپنے زمانے کے بادشاہ مختلف سرکاری دستاویزات اور اہم شاہی فرمانوں پر اپنے انگوٹھے کا نشان لگایا کرتے تھے۔ آج کل بھی خاص اہمیت کی بعض عدالتی دستاویزات پر دست خط کے ساتھ انگوٹھے کا نشان بھی قانونی طور پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

مغربی دُنیا میں سب سے پہلے ۱۸۲۳ء میں عضویات کے ایک پروفیسر نے انگلیوں کے نشانات کی اَن مِٹ اور نہ بدلنے والی خصوصیت کو دریافت کیا۔ اس نے معلوم کیا کہ ان نشانات میں انسان کی پیدائش سے لے کر مرنے تک کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہر شخص کی انگلیوں یا انگوٹھے کے نشانات کاغذ پر مختلف اقسام کے خاکے بناتے ہیں اور ایک شخص کے انگوٹھے کا خاکہ دوسرے شخص کے انگوٹھے کے خاکے سے بالکل الگ ہوتا ہے، یعنی کسی شخص کی انگلیوں کے نشانات دوسرے شخص کی انگلیوں کے نشانات سے نہیں ملتے اور اسی لیے نشانِ انگشت کو آدمی کی شناخت کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے جو آدمی دست خط نہیں کر سکتا اس کا انگوٹھا روشنائی میں بھگو کر کاغذ پر اس کا نشان لگوالیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص انکار کرے کہ یہ اس کے انگوٹھے کا نشان (نشانِ انگشت) نہیں ہے تو اس سے ایک اور نشان کاغذ پر لگوا کر ماہرین مقابلہ کرتے ہیں اور حقیقت جو بھی ہو وہ ٹھیک ٹھیک بتا دیتے ہیں۔ دُنیا نے پہلے پہل اس کی اس اہم دریافت کو زیادہ توجہ کے قابل نہیں سمجھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اس دریافت کی اہمیت کو محسوس کرنے لگے اور اس پر علمی تحقیق کرنے کے بعد انگلیوں کے نشانات کی مختلف اقسام کی درجہ بندی کی۔

سر ای۔ آر۔ ہنری (SIR E.R.HENRY) نے جو لندن پولیس کا چیف کمشنر تھا اِس علم پر بھرپور توجہ دے کر اسے مجرموں کی نشان دہی اور شناخت کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ یہ طریقہ بہت مقبول ہوا اور آج یہ ہنری طریقے کے نام سے ساری دُنیا میں رائج ہے۔

س : دُم دار ستارے کی حقیقت کیا ہے؟ (خالد ظاہرہ شاہین۔ راولپنڈی)

ج : دُم دار ستارہ اصل میں ایک سیارہ ہوتا ہے جو ہماری زمین کی طرح سورج کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے گھومنے کا راستہ یعنی مدار ہماری زمین کے مدار سے مختلف ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ سیارہ زمین سے نظر آجاتا ہے۔ اس کا ایک موٹا سر ہوتا ہے جس میں گیس بھری ہوتی ہے یا بہت سے ذرّات ہوتے ہیں۔ ان پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو وہ چمک اُٹھتے ہیں اور اس روشنی کو ہماری طرف واپس کرتے ہیں تو ہمیں سر چمکتا نظر آتا ہے۔ پیچھے گیس کی ایک لمبی دھار نکلتی رہتی ہے جسے ہم دُم کہتے ہیں اور پوری چیز کو دُم دار تارہ کہتے ہیں۔ حقیقت میں وہ ستارہ نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں خود چمکنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ سُورج کی روشنی سے چمکتا نظر آتا ہے۔ اُس کی دُم ہمیں چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ہزاروں میل لمبی ہوتی ہے۔

ان تاروں میں ہیلے دُم دار تارہ زیادہ مشہور ہے۔ اسے ایک ہیئت داں نے ــــــ دریافت کیا تھا، لہٰذا وہ اسی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ وہ ہر چند سال کے بعد زمین سے نظر آتا ہے۔ وہ اور ایسے ہی دوسرے تارے سُورج کے چاروں طرف کشش کے اِسی اصول کے مطابق گردش کرتے رہتے ہیں جس اصول پر ہماری زمین سُورج کے چاروں طرف گھومتی ہے۔

دُنیا والے دُمدار تاروں کو منحوس خیال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی دُم دار ستارہ نظر آتا ہے تو دُنیا جنگ، قحط یا سیلاب کی مصیبت میں پھنس جاتی ہے۔ یہ محض وہم ہے اور سائنسی اور مذہبی نقطۂ نظر سے اس خیال میں کوئی حقیقت نہیں۔ دُم دار تارہ بھی ایک آسمانی جسم ہے۔ بھلا اُسے زمین والوں سے کیا دُشمنی ہوسکتی ہے؟

س : ۶ اور ۹۔ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرائے گئے تھے۔ براہِ کرم یہ بتائیے کہ ان بموں سے اِتنی تباہی کیوں پھیلی، نیز ان کی ساخت بھی بتا دیں تو عین نوازش ہوگی۔ (صفدر رضا نقوی۔ کراچی)

ج : اُس وقت تو ایٹم بم یقیناً مہلک ترین ہتھیار تھے، لیکن اب اُن سے بھی زیادہ مہلک بم ایجاد ہو چکے ہیں۔ ایٹم بم کی ساخت تو یہاں اتنے سہل طریقے سے بیان نہیں

کی جاسکتی کہ بچے سمجھ سکیں، ہم صرف اتنا بتائیں گے کہ بعض دھاتوں میں قدرتی طور پر یہ صفت موجود ہوتی ہے کہ ان سے ہر وقت کچھ ننھے ذرات باہر نکلتے رہتے ہیں۔ ایسی دھاتیں ریڈیو ایکٹو (RADIOACTIVE) یا تاب کار کہلاتی ہیں اور اس عمل کو تاب کاری کہتے ہیں۔ ایٹم بم کی ساخت میں ایسا ہی ایک عنصر یورینیم استعمال کیا گیا تھا۔ یہ دھات بہت قیمتی ہوتی ہے، کیوں کہ ہر جگہ نہیں ملتی اور جہاں ملتی ہے وہاں بھی اس کی تلاش اور صفائی پر بہت سا روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس دھات میں یہ صفت ہے کہ اگر اس کے ایٹموں کو توڑ دیا جائے تو بڑے زور کا دھماکا پیدا ہوتا ہے۔ یہ دھماکہ ہی ایٹم بم کو اتنا خوف ناک بنا دیتا ہے۔ جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے وہ زیادہ بڑے نہیں تھے، پھر بھی اُن سے اتنی تباہی پیدا ہوئی کہ جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ جاپان نے ہتھیار ڈال دیے۔

اب شاید آپ یہ دریافت کریں کہ ایٹم کے ٹوٹنے اور ایٹمی توانائی خارج ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ایٹم مادّے کے سب سے چھوٹے جزو کو کہتے ہیں۔ اتنا مختصر ہونے کے باوجود ایٹم اپنے اندر پورا ایک نظام لیے ہوتا ہے۔ اُس کا ایک مرکزی حصّہ ہوتا ہے جو نہایت ٹھوس ہوتا ہے، اسے مرکزہ (NUCLEUS) کہتے ہیں۔ اس حصّے کے چاروں طرف برقی ذرات مستقل طور پر گھومتے رہتے ہیں۔ باہر سے کسی ذرّے کا مرکزے تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے، لیکن پھر بھی قوی مشینوں کے ذریعے اب ایسا کرنا ممکن ہوگیا ہے۔

ایٹم کو توڑنا بھی اس وقت ممکن ہوا جب ایک بار ذرہ نیوٹران دریافت ہوگیا اور سائنس داں اسے مرکزے پر مارنے میں کام یاب ہو گئے۔ جیسے ہی یہ ذرہ مرکزے پر گرتا ہے ایٹم کا توازن خراب ہو جاتا ہے اور وہ شق ہو جاتا ہے۔ اس وقت زبردست توانائی خارج ہوتی ہے جسے ایٹمی یا جوہری توانائی کہتے ہیں۔

ایٹم بم میں یہ توانائی تباہی پیدا کرنے کے لیے استعمال کی گئی، لیکن اب اس سے بہت سے مفید کام لیے جا رہے ہیں۔

★ ایک آدمی اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے ایک دوست کے جنازے میں شرکت کے لیے گیا اور جنازے کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا، "اے دوست، تو ایسی جگہ پر جا رہا ہے جہاں نہ کرسی ہے، نہ کھانا ہے، نہ پینا ہے، نہ بستر ہے، نہ میز ہے۔" بیٹے نے اپنے باپ کی بات کاٹ کر کہا، "تو کیا ابا جان وہ ہمارے گھر جا رہے ہیں؟"

(مرسلہ: مناف حبیب۔ کراچی)

★ پہلا دوست: اگر آدھی رات کو آنکھ کھل جائے اور گھڑی بند ہو تو وقت کیسے معلوم ہوگا؟

دوسرا دوست: یہ بھی کوئی مشکل کام ہے، بس زور زور سے گانا شروع کر دو۔ چند ہی لمحوں میں گرجتی ہوئی آواز سنائی دے گی، "کیا پاگل ہو گئے ہو، رات کے دو بجے گانے کا کونسا ٹائم ہے؟"

(مرسلہ: مبین صدیقی، حیدر آباد)

★ ڈاکٹر: بتاؤ بیٹا! کس وقت پیٹ میں درد ہوتا ہے؟

بچہ: جناب! جب میں اسکول جانے لگتا ہوں۔

★ استاد: شاگرد سے۔ بتاؤ رات کے کیا فائدے ہوتے ہیں؟

شاگرد: جناب رات کو مزے دار کہانیاں پڑھتے ہیں اور اسکول نہیں جانا پڑتا۔ (مرسلہ: ارجن کمار، حیدر آباد)

★ میاں بیوی میں کئی دنوں سے بول چال بند تھی۔ ایک صبح میاں کو جلدی اٹھنا تھا، چناں چہ انھوں نے ایک پرچے پر لکھا "صبح سات بجے جگا دینا۔" اور پرچہ بیوی کے تکیے کے نیچے رکھ دیا اور خود سو گئے۔ صبح جب آنکھ کھلی تو آٹھ بج چکے تھے۔ بہت غصّہ آیا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ جھنجلا کر اُٹھے۔ دیکھا تو تکیے کے قریب ایک پرچی رکھی تھی جس پر لکھا تھا "سات بج چکے ہیں اب اُٹھ جائیے۔"

(مرسلہ: عطاء اللہ بیگ۔ کراچی)

★ باپ: (بیٹے سے) تم بڑے ہو کر کیا کرو گے؟

بیٹا: ابا میں ہوائی جہاز چلاؤں گا۔

باپ: (خوش ہو کر) مگر ہمیں کس طرح معلوم ہو گا کہ ہمارا بیٹا ہوائی جہاز چلا رہا ہے؟

بیٹا: ابا جان میں گھر کے صحن میں بم ماروں گا بس آپ سمجھ لینا کہ تمھارا بیٹا ہوائی جہاز چلا رہا ہے۔

(مرسلہ: انور سعید۔ راولپنڈی)

★ ایک صاحب اپنے لڑکے کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگے "دیکھو آج ہمارے گھر جو مہمان آ رہے ہیں ان کی ناک کے بارے میں کوئی سوال مت کرنا" ـــــ دو گھنٹے بعد مہمان آ گئے ـــ مُنّے میاں فوراً بولے "ابّو، آپ تو کہتے تھے کہ ان کی ناک کے بارے میں سوال مت کرنا، مگر ان کی تو ناک ہی نہیں ہے۔ (مرسلہ: راشد حسین ضیا، کراچی)

★ ایک جگہ دعوت میں چاندی کے چمچے استعمال ہو رہے تھے۔ ایک آدمی نے ایک چمچہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ ایک آدمی اس کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً کہا، "بھائیو! میں جادو کا ایک کھیل دکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر چمچہ اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا، "اب اس آدمی کی جیب سے نکلے گا۔" (مرسلہ: خالد ظفر، ارشد حسین۔ کراچی)

★ منّا: (امی سے) آپ مجھے اسکول کیوں بھیجتیں؟

امّی: تم جیسے شریر کو انسان بنانے کے لیے۔

مُنّا: لیکن، امّی! ماسٹر صاحب تو مجھے وہاں مُرغا بناتے ہیں۔ (مرسلہ: فرحت علی خاں۔ نوشہرہ)

★ ایک بے وقوف (دوسرے سے) میرا بیٹا ہوائی جہاز چلاتا ہے۔

دوسرا بے وقوف: تو کیا ہوا؟ میرا بیٹا مکھیاں اُڑاتا ہے۔ (مرسلہ: جاوید ممتاز سرہاری)

★ ایک شخص: بھائی، گانے کے منھ سے جھاگ کیوں نکل رہے ہیں؟

دوسرا شخص: ارے بھئی تم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ گائے نے ٹوتھ پیسٹ لگایا ہے۔"

(مرسلہ: رضوان۔ کے۔ اے بھٹو۔ لاڑکانہ)

★ استاد (شاگرد سے) آسمانی بجلی اور زمین کی بجلی میں کیا فرق ہے؟

شاگرد (جلدی سے) آسمانی بجلی کا بل ادا نہیں کرنا پڑتا۔ (مرسلہ: منصور احمد، کراچی)

۱۔ یقین۔ ایمان، اعتبار، عقیدہ
۲۔ زَبوں۔ خراب، خستہ، عاجز
۳۔ مَرغُوب۔ پسندیدہ، من بھاتا
۴۔ وَجد۔ سرور، بے خودی، کیف، رِقّت
۵۔ مَرطُوب۔ تر، گیلا، نم، بھیگا ہوا
۶۔ تعصّب۔ طرف داری، حمایت، عصبیّت
۷۔ جَہالت۔ لاعلمی، نادانی، بے وقوفی
۸۔ ہراساں۔ خوف زدہ، ڈرا ہوا، مایوس
۹۔ فُقدان۔ نایابی، کال، کمی
۱۰۔ عَطّار۔ خوش بُو فروش، دوا فروش
۱۱۔ تسکین۔ سکون، تسلّی، تشفّی، آرام
۱۲۔ شِکَست۔ زک، ہار، مات
۱۳۔ خُود سَر۔ خود پسند، ضِدّی
۱۴۔ رِفعَت۔ بلندی
۱۵۔ کُنیّت۔ اصلی نام کے علاوہ دوسرا نام جس کے شروع میں اَب، اَبُو، اُم، ابن یا بنت ہو۔ کنیت کا عرب میں زیادہ رواج ہے۔
۱۶۔ رُطُوبَت۔ تری، تازگی
۱۷۔ رَعنائی۔ زیبائی، اچھائی، خوبی
۱۸۔ ساخت۔ بناوٹ
۱۹۔ مُوجِد۔ ایجاد کرنے والا
۲۰۔ طُلُوع۔ نکلنا، بلند ہونا، جھانکنا
۲۱۔ مَہتاب۔ چاند، چاندنی
۲۲۔ تلخ۔ کڑوا، بدمزا
۲۳۔ مغفرت۔ بخشش، نجات
۲۴۔ کمربستہ۔ تیّار
۲۵۔ ضامن۔ ضمانت دینے والا، ذمّے دار
۲۶۔ شاداب۔ ہرا بھرا، سرسبز، تازہ
۲۷۔ سج دھج۔ بناؤ سنگھار
۲۸۔ صلاحیّت۔ قابلیّت، اہلیّت
۲۹۔ عُرُوج۔ ترقی، چڑھاؤ، بلندی
۳۰۔ مَجید۔ اللہ تعالیٰ کا نام، بزرگ
۳۱۔ افسردگی۔ اُداسی
۳۲۔ دلیر۔ بہادر، جری
۳۳۔ قیادت۔ رہبری، رہ نمائی
۳۴۔ دُخان۔ دھواں
۳۵۔ وُسعَت۔ پھیلاؤ، کُشادگی
۳۶۔ تحقیر۔ حقیر سمجھنا
۳۷۔ احمق۔ بے وقوف

صحت مند نونہال

حوری شہوار توقیر ۔ کراچی

عابد حسین ۔ نواب شاہ | فاروق انجم ساجی ۔ ملک وال | وجاہت جمال ۔ سرخ ڈھیری ۔ مردان

آفتاب احمد ۔ شکارپور | ناصرہ سلطانہ، کراچی | شفیق احمد خان ۔ کراچی

رخشندہ ریاض ـــ کراچی	محمد حنیف ابوبکر، کراچی	شہلا ناز زیدی، چکوال
عاصم شفیق ـــ کراچی	عبدالخالق خان زی۔ حیدرآباد سندھ	شکیل احمد، کراچی
محمد فاروق بلوچ ـــ کراچی	روحی فردوس توقیر ـــ کراچی	محمد سراج الدین ـــ کراچی

سلسلہ ۱۲۴

معلوماتِ عامہ

مُرتّبہ: عِصمت علی پٹیل

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۲۰ اگست ۱۹۷۶ء تک ہمیں بھیج دیجیے۔ اور ان پر "معلومات عامہ ۱۲۴" ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات ایک کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور لکھیے۔ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام اور تصویریں اکتوبر ۱۹۷۶ء کے شمارے میں شائع کی جائیں گی۔

۱۔ "غزوہ" اور "سریہ" سے کیا مُراد ہے؟

۲۔ دو شاعروں کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے ان میں ایک جگر مراد آبادی ہیں۔ کیا آپ دوسرے شاعر کا نام بتا سکتے ہیں؟

۳۔ بتائیے نوبل انعام حاصل کرنے والے اپنے نام کے ساتھ کیا لکھتے ہیں۔ (ا) N.L. (ب) N.K.

۴۔ شہنشاہ بابر کی ایک بیٹی شاعرہ تھی، کیا آپ اس کا نام بتا سکتے ہیں؟

۵۔ راجا داہر کے زمانے میں موجودہ کراچی کے قریب ایک بندرگاہ تھی اس کا نام کیا تھا؟

۶۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح دہلی سے شائع ہونے والے کس انگریزی اخبار کے بانی ہیں؟ واضح رہے کہ یہ اخبار اب کراچی سے بھی شائع ہوتا ہے۔

۷۔ بتائیے سُورج کی روشنی زمین تک کتنے منٹ میں پہنچتی ہے؟

۸۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں سویڈن کے دارالحکومت کا کیا نام ہے؟

۹۔ چودہ سو سالہ نعتوں کے انتخاب کا ایک مجموعہ شفیق بریلوی نے مُرتّب کیا ہے۔ بتائیے اس کا نام کیا ہے؟ (۱) حدیقۂ نعت (۲) اُرمغانِ نعت۔

۱۰۔ امریکا کا ایک شہر جو کیلی فورنیا میں واقع ہے اور امریکی صنعتِ فلم سازی کا مرکز ہے اور خوب صورت مناظر کا حامل ہے۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکتے ہیں؟

بزمِ نونہال کے لیے خط مختصر اور دِل چسپ لکھنے کی کوشش کیجیے اور خط اِس انداز سے اَرسال کیجیے کہ ھمیں زیادہ سے زیادہ دس تاریخ تک موصول ھو جائے۔

بزم نونہال کے لیے خطوط کی تعداد اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ ان کی اشاعت ناممکن ہو گئی ہے۔ پھر بعض سوالات ایسے ہیں جو بہت سے نونہالوں کے خطوں میں ہوتے ہیں۔ ایسے سوالات کے جوابات ہم یہاں مجموعی طور پر دے رہے ہیں۔ اگر ہم سب خط شائع کریں تو وہ اتنے صفحات میں آئیں کہ پھر مضامین، کہانیاں، لطیفے، نظمیں کچھ نہ آسکیں جس کو نونہال خود بھی پسند نہ کریں گے۔ اس لیے مجبوراً ہم صرف تھوڑے سے خط شائع کر رہے ہیں۔

اب ان سوالات کے جوابات سنیے جو بہت سے نونہالوں نے کیے ہیں۔

۱۔ کہانی یا مضمون بھیجوں تو شائع ہو جائے گی؟ اس کا جواب ہر نونہال کے لیے اور ہمیشہ کے لیے ایک ہی ہے کہ ہاں ضرور، اگر وہ اچھی ہوئی جس کا فیصلہ دیکھنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے جو نونہال بھی مضمون، کہانی لطیفہ یا تصویر چھپوانا چاہیں وہ بغیر پوچھے بھجوا دیا کریں اگر مناسب ہوئی تو ضرور شائع کی جائے گی ورنہ معذرت۔

۲۔ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیجیے۔ اس پر عمل کرنا ہی پڑے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ نونہال دل چسپ سوالات بھیجیں۔

۳۔ حلقۂ دوستی کے فارم بہت زیادہ جمع ہو گئے ہیں۔ جب جمع شدہ فارم سب شائع ہو جائیں گے تب نیا فارم شائع کیا

جائے گا۔ سادے کاغذ پر تعارف شائع نہیں کیا جاتا۔

۴۔ جولائی میں لطیفے کیوں شامل نہیں کیے؟

ہمدرد نونہال کے صفحات ہم ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ اگر لطیفے بے مزا ہوں تو ان کا شائع کرنا صفحات ضائع کرنا ہی ہے۔ جس مہینے بھی مزے دار لطیفے موصول نہیں ہوں گے، شائع نہیں کیے جائیں گے

۵۔ میرا خط کیوں شائع نہیں کیا؟ کیا صرف خاص خاص لوگوں کے خط ہی شائع کیے جاتے ہیں؟ یہ سوال ہر وہ نونہال کرتا ہے جس کا خط شائع نہیں ہو سکا ہو، لیکن اس کے جواب میں ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ہر نونہال "خاص ہے اور نونہالوں کے فائدے کے لیے ہی ہم رسالے کے زیادہ صفحات "بزم نونہال" سے بھرنا نہیں چاہتے۔

۶۔ سالانہ خریدار بننے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ کہ آپ پندرہ رُوپے کا منی آرڈر مینیجر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ کراچی ۱۸ کے نام کر دیں اور لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کیا جائے۔

۷۔ جناب حکیم محمد سعید کی کتاب "جاگو جگاؤ" شائع ہو گئی ہے۔ بازار سے بھی دو رُوپے میں مل سکتی ہے اور دفتر ہمدرد نونہال کو بھی دو رُوپے کے ٹکٹ یا منی آرڈر بھیج کر منگائی جا سکتی ہے۔ منی آرڈر سے رقم بھیجنا زیادہ اچھا ہے۔

اب چند نونہالوں کے خطوط بھی پڑھ لیجیے:

- ٹائیٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ "جاگو جگاؤ" پڑھا دل میں نئی روشنی پیدا ہوئی۔ کہانیاں لاجواب تھیں۔ برکاتی صاحب! مجھے آپ سے شکایت ہے کہ میں نے دو بار خط لکھا مگر آپ نے میرا خط شائع نہ کرنے کی قسم کھا لی ہے۔ آپ سب کے خط شائع کرتے ہیں۔ کیا ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر یہ خط شائع نہیں ہوا تو میں نونہال کو جلا ڈالوں گا۔ میرے کو جون کا نونہال درکار ہے۔ کیا مل سکے گا؟ اگر مل جائے تو آپ روانہ کر دیں۔

عبدالخالق، کراچی

نوٹ: لو بھئی تمھاری دھمکی سے ڈر کر خط شائع کیا جا رہا ہے۔ کیا جون ۱۹۷۶ء کا رسالہ بھی جلانے کو چاہیے؟ (برکاتی)

- ڈھیروں آداب! میرے پیارے ساتھی نے آتے ہی مجھے اپنی شکل دکھائی۔ میں اس کی شکل دیکھ پھولی نہ سمائی اور اس کو جھٹ سے کھولا۔ کھولتے ہی "جاگو جگاؤ" چمکا۔ میں نے اسے پڑھا اور دل میں عہد کر لیا کہ زبان سے کبھی ایسے الفاظ نہیں نکالوں گی جس سے کسی کو غصہ آئے۔ "ہمدرد منزل" پر پہنچ کر بڑی خوشی ہوئی۔ "چاندی کا پنجرہ" بھی دیکھا، لیکن کوئی خاص نہ تھا۔ "سات سیمان بھائی" کے پاس بھی ہو آئی اور "حکیم بوعلی سینا" سے بھی ملی۔ "پتنگ" بھی اُڑائی۔ "دریائے سندھ" کی سیر کو بھی گئی۔ "طوفان کیوں آتے ہیں؟" کا جواب بھی پا لیا۔ "قیدی شہزادے" کو بھی آزاد کرایا لیکن کوئی مزا نہ آیا۔ "بلو" کی باتیں عجیب تھیں۔ "خیال کے پھول" بھی سونگھے اتنے اچھے تھے کہ اس کی مہک دور دور تک پھیل گئی۔

اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر میری اور میری بہنوں شہناز اعظمی، ناہید، صنوبر، سیما اور بھائی بلال صدیقی اور پرویز صدیقی کی طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔

زہرہ علیم الدین صدیقی۔ حیدر آباد

- نونہال کا ٹائیٹل معیاری نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ کافی سبق آموز تھا۔ "ہمدرد منزل" "سات سیمان بھائی" اور قیدی شہزادہ کافی اچھی کہانیاں تھیں۔ ہمدرد انسائیکلو پیڈیا میں سوالوں کی تعداد بڑھا دیں اور کم از کم تین

درق میں جوابات اور سوالات کے لیے جگہ کریں۔ شکریہ

(سید ممتاز حیدر رضوی، کراچی)

● اس مرتبہ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ جاگو جگاؤ توقع کے مطابق تھا اور تقریباً سب ہی کہانیاں و نظمیں معیاری اور دل چسپ تھیں۔ برکاتی صاحب! کیا آپ میرے سوال کا جواب دینا پسند کریں گے؟ کیا حکیم صاحب کا جاگو جگاؤ کتابی شکل میں آنے کے بعد بازار میں مل جائے گا؟ (احمد آصف۔ کورنگی۔ کراچی)

(نوٹ) جی ہاں، یہ کتاب بازار سے بھی مل رہی ہے اور دفتر نونہال سے بھی۔ (مدیر)

● بازار سے گزرا تو ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا میرا پیارا دوست رہبر اور میرا استاد کھڑا تھا۔ بڑھ کر گلے سے لگا لیا اور کہا "بہت دنوں بعد آئے ہو؟"، بولا "ابھی چیزیں روز روز تھوڑا آتی ہیں" میں اُسے گھر لے آیا۔ گھر آ کر اس نے میری معلومات میں اضافہ کیا۔ لطیفے اور کہانیاں سنائیں جو مجھے بہت پسند آئیں۔ اُس نے اور مفید باتیں بھی بتائیں اور کہا "اچھا خدا حافظ"۔ میں نے کہا "اب کب آؤ گے؟" تو کہا "یکم اگست کو"، اور اب مجھے یکم اگست کا انتظار ہے تاکہ میرا دوست مجھے پھر اچھی اچھی باتیں بتائے، مگر میں نے ابھی تک اپنے دوست کا تعارف نہیں کرایا۔ تو سنیے وہ میرا ہی نہیں آپ کا بھی دوست ہے سمجھ گئے نا۔ اس کا نام ہے "ہمدرد نونہال"

(سید خالد احسان ہاشمی، کراچی)

● سرورق دیکھا، دل کش نہیں تھا اور کہانیاں سخت بور اور بکواس تھیں۔ نونہال ادیب کی کہانیاں اچھی تھیں۔ حکیم صاحب کا "جاگو جگاؤ" سبق آموز تھا۔ کہانیاں بھی معیاری اور سبق آموز ہونی چاہئیں۔ معلوماتِ عامہ ذرا مشکل ہونا چاہیے تاکہ بچے کی معلومات میں اضافہ ہو۔ معلوماتِ عامہ کے سلسلے میں چھوٹے موٹے انعامات بھی رکھنے چاہئیں تاکہ بچوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ (روبینہ رزاق کراچی)

● جولائی کا نونہال بہترین تھا لیکن اب نونہال میں وہ بات نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اول تو صحیح اور ایک غلطی والے جواب کے نونہالوں کے نام کے ساتھ ان کی تصاویر شائع کر کے کاغذ کو ضائع کیا جاتا ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اسلامی کہانی شائع کریں تو بے جا نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ حلقہ دوستی کو ختم نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ایک عرض ہے کہ اگر آپ حلقہ دوستی برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اس میں غیر ملکی نونہالوں کے نام اور پتے بھی شائع کریں۔ "جاگو جگاؤ" کم از کم دو تین صفحات پر مبنی ہونا چاہیے، کیوں کہ آپ نے اس مشعلِ راہ کو اتنا مختصر کر رکھا ہے کہ نصیحت پوری نہیں ملتی۔ لطیفے تو ہمیشہ ہی خراب آنے لگے ہیں۔ (سید جمال الدین، کراچی)

● سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ کہانیوں میں "چاندی کا پنجرہ" "سات سیمان بھائی" اور "قیدی شہزادہ" پسند آئیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ معلوماتی مضامین میں "طوفان کیوں آتے ہیں؟" پسند آیا۔ اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر حکیم محمد سعید صاحب اور مسعود احمد برکاتی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ (فیصل بن آفتاب)

سرورق دیدہ زیب اور خوب صورت تھا۔ تمام نگارشات قابلِ تعریف ہیں۔ علی اسد صاحب کی "ہمدرد منزل" اور دیگر کہانیوں میں "سات سیمان بھائی، چاندی کا پنجرا اور قیدی شہزادہ" بہت پسند آئیں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ مضامین بہت دل چسپ اور خوبصورت لگے ہیں۔ حکیم بوعلی سینا، طوفان کیوں آتے ہیں؟ اور سرورق کی کہانی۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ "جاگو جگاؤ" کو کتابی شکل دی جا رہی ہے۔ یہ چھپ جائے تو براہ کرم اسکی ایک کاپی میرے نام بذریعہ وی۔ پی بھیج دیں۔ (خواجہ ضیاء اللہ، ضلع لائلپور) نوٹ: کتاب جاگو جگاؤ شائع ہو چکی ہے۔ آپ دو روپے کے ٹکٹ یا منی آرڈر بھیج کر دفتر نونہال سے منگوالیں۔ وی۔ پی نہیں کیا جا سکے گا۔ (مدیر)

ان نونہالوں نے بھی جولائی کے شمارے کے متعلق بہت اچھے اچھے خط لکھے ہیں، مضامین اور کہانیوں کے بارے میں اپنی رائے لکھی ہے اور مشورے دیے ہیں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم ان نونہالوں کے صرف نام شائع کر رہے ہیں:

نام	شہر
نثار محمد نیاز	کراچی
محمد اسلم قریشی	دادو
عامر رحمان خان	کراچی
فاروق انجم ساجی	ملک وال
محمد یوسف حسن	
محمد نعیم بلوچ	کراچی
رضوان رفیق معالم	حیدرآباد
محمد ایوب	ٹنڈو الہ یار
محمد اشفاق	کراچی
سید اعجاز عزیز	ٹنڈو الہ یار
شیخ محمد افضل خالد	کراچی
ارشد حسین	کراچی
شہناز عالم	اسلام آباد
خالد مقبول	کراچی
محمد فاروق	
شاہد مسعود صدیقی	حیدرآباد
عبدالقادر	حیدرآباد
شبانہ اقبال	کراچی
ارشد محمود	اسلام آباد
عمران ذکی	کراچی

نام	شہر
محمد اسلم انصاری	لاڑکانہ
تسلیم عارف، وسیم حسن راجا،	لاہور
شاہد صدیق بھٹی شاہین،	جڑانوالہ
محمد الیاس احمد عاصم	حافظ آباد
طاہر منصور گل	جہلم
محمد طاہر ملک	تلہ گنگ
نوید قاسم	کراچی
آفتاب احمد علی	کراچی
مسرور الحسن گیلانی	لاہور
منظر عباس	کراچی
تمکنت محمود ملک	ملتان
مرزا جاوید شوکت	لائل پور
عدنان رفیق	لائل پور
محمد اظہر	کراچی
سید آصف علی	حیدرآباد
نائلہ یامین آرائیں	کراچی
محمد ادریس آدم	کراچی
آصف جیلانی	کراچی
محمد صابر حسین	کراچی
مشتاق طیب علی	کراچی
ملک تقی اعوان	کراچی
محمد امین دودا بلوچ	کراچی
تنویر خالق	راولپنڈی
سید اعجاز، کاظم نقوی	کراچی
احمد نسیم صدیقی	کراچی
محمد اکرام اللہ خان بھکّر	بھکر

نام	شہر
احمد سلیم	میرپور خاص
قاسم	میرپور خاص
عارف	میرپور خاص
شفیق	میرپور خاص
امان	میرپور خاص
سید آصف اعجاز علی	حیدرآباد
الیاس احمد قریشی	میرپور خاص
الماس نعیم پراچہ	کراچی
سید اسد حسین	کراچی
ایم منیر یحییٰ	کراچی
منظر آفاق	بالاکوٹ، ہزارہ
ہمایوں رشید	کراچی
اے۔ ایم، خان	لاہور
جمال ناصر	کراچی
محمد رفیق	کراچی
ندیم طارق	کراچی
سید اعجاز حیدر رضوی	کراچی
عبدالقدوس ہاشمی،	اسکندرآباد
ممتاز عظمت	کراچی
ثریا عظمت	کراچی
امتیاز صادق	حیدرآباد
انور جبیں	کندھ کوٹ
سلیم الدین	کراچی
انوار احمد خان غوری	کراچی
ندیم الدین صدیقی	
مصباح قریشی	کراچی

عارفہ قریشی — کراچی
اشفاق ظفر حیدری — چکار
آصف غنی — حیدرآباد
ظہیر الدین بابر — جہلم
محمد خالد — کراچی
عابدہ خاتون — کراچی
صلاح الدین احمد کامران — کراچی
غازی سہیل احمد سومرہ — جیکب آباد
حفیظ الحق صغیر اعوان — سرگودھا
سلیم احمد — کراچی
اختر متین — کراچی
منظور احمد — جیکب آباد
جمیل احمد خان — حیدرآباد
محمد عارف — کراچی
حمیرا مفتی — کراچی
محمد صادق قریشی — حیدرآباد
امتیاز علی محمد — کراچی
محمد راشد اقبال آفریدی — کراچی
راج محمد ذکی — کوہاٹ
یوسف شمس — کراچی
معین فخر معین ہمدانی — کراچی
جاوید اختر چاند محمد — حیدرآباد
کیڈٹ سید اختر عباس
اختر علی خان — کراچی
وقار احمد خان زادہ — حیدرآباد
ظہیر الدین بابر — لائل پور

یوسف ثانی — کراچی
نعیم احمد خاں — کراچی
واحد بخش پکھیڑو — ٹھٹھہ
سید ناصر مہدی — کراچی
ارشد رشید — کراچی
محمد سلیم — کراچی
غلام رسول بلوچ — کراچی
آغا علی گوہر — کراچی
فقیر جان آفریدی — کراچی
محمد سعید احمد — میرپور خاص
رشیدہ شرف علی — کراچی
ذوالفقار علی — پشاور
افتخار احمد — کراچی
انور شفیع — کراچی
سید محفوظ علی — کراچی
عبدالرحمٰن، عبدالعزیز — کراچی
جمیل احمد صغیر — کراچی
سلطانہ پروین فاروقی — کراچی
روزینہ بانو آدم — کراچی
حافظ محمد الیاس بندھانی — کراچی
خالد پرویز شمس — بوریوالہ
ادیب احمد شبلی — کراچی
سید احمد ضامن رضوی — کراچی
ناصر علی — کراچی
عبدالسلام — ساہی وال
محمد راشد انصاری — کراچی

محمد خالد آرائیں — گڑھی یٰسین
محمد زماں — اوکاڑہ
معین الاسلام وڑائچ — ملتان
ساجدہ، عادل، طاہرہ نیر قریشی — کراچی
ملک خلیل احمد طارق — شادی پلی
ملک نور محمد — شادی پلی
فدا حسین بغدادی — کراچی
عرفان اللہ خان — لاہور
سید ضیاء الاختر — نارتھ کراچی
اشعر حسین — کراچی
محمد عباس انجم — تحصیل حافظ آباد
صباحت قدوس — کراچی
حامد رضا حمید — ملتان
محمد کلیم — لاہور
شکیل احمد — راولپنڈی
قاضی محمد نعیم صدیقی — حیدرآباد
فرح نواز — کراچی
گوہر جمال — ضلع مردان
ناہید منور — کراچی
سید منصور طارق زیدی — کراچی
حافظ محمد شکیل اوج — کراچی
زاہد حسین قریشی — نواب شاہ
محمد طارق جاوید بھٹی — آزاد کشمیر
خواجہ ابرار احمد — ضلع سرگودھا
مرزا رضوان عطاء اللہ — بوسے والا
سروینہ نیلوفر — کراچی

نعت شریف

ناہید کوثر، گوجرانوالہ

میں ہوں ڈوبا یا محمد مصطفےٰ!
دو سہارا یا محمد مصطفےٰ!

اپنے قدموں میں جگہ دیجے مجھے
میرے آقا یا محمد مصطفےٰ!

جب کوئی سر پہ بلا نازل ہوئی
لب پہ آیا یا محمد مصطفےٰ!

لٹ رہی ہے کائناتِ زندگی
غم نے لوٹا یا محمد مصطفےٰ!

سب کے حامی سب کے والی آپ ہیں
کُل کے مولا یا محمد مصطفےٰ!

رحم آجائے گا سُن کر آپ کو
میرا دُکھڑا یا محمد مصطفےٰ!

علم

علی محمد شہاب، میرپور خاص

علم سے بچّو ملتی ہے راحت
علم سے سب میں ہوتی ہے عزّت
علم کو تم پھیلاؤ ہمیشہ
وقت پہ مکتب جاؤ ہمیشہ
چین پڑے گر جانا، جاؤ
علم کو رہبر اپنا بناؤ
علم سے ہے جو بھی گھبراتا
رتبہ وہ ہرگز نہیں پاتا
بچّو بات یہ میری مانو
علم کا رُتبہ تم پہچانو

وہ دِن مجھے یاد رہے گا

تنزیہ جہاں۔ کراچی

گرمی کے دن تھے۔ دوپہر کا وقت تھا، میں اپنے بستر پر لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ میرا بستر روشن دان کے عین نیچے تھا۔ اس میں سے کوئی چیز میرے بستر پر آکر گری، چوں کہ میں رسالہ پڑھنے میں محو تھی، اس لیے میں نے کوئی دھیان نہیں دیا، مگر تھوڑی دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ کوئی نرم چکنی ملائم سی شے پاؤں پر سے گزر رہی ہے۔ میں نے رسالے پر سے نظریں ہٹا کر جو دیکھا تو سارے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی اور ڈر کے مارے چیخ تو کجا آواز بھی نہ نکل سکی۔ ایک کالے رنگ کا سانپ آہستہ آہستہ ہٹ کر بستر کے اوپر سے رینگتا ہوا میری طرف آرہا تھا۔

کہتے ہیں جب مصیبت آن پڑتی ہے تو انسان میں خود بخود ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ سانپ میرے ہاتھ سے ڈیڑھ دو فٹ کے فاصلے پر آکر رک گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں ذرا بھی حرکت کروں تو وہ مجھے ڈس لے گا۔ بس کیفیت یہ تھی کہ ؎

نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

شاید ایسے میں اللہ تعالےٰ کو مجھ پر رحم آگیا۔ بھلا ہو میری باجی کا کہ انھوں نے باورچی خانے سے مجھے آواز دی۔ میری طرف سے جواب نہ پا کر وہ خود ہی کمرے میں آگئیں۔ انھوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی یہ منظر دیکھا تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ گھبرا کر اُلٹے پاؤں واپس چلی گئیں اور سارا ماجرا بھائی جان سے بیان کیا۔ بھائی جان نے یہ سنتے ہی پھُرتی سے اپنی گن نکالی اور اس کو لوڈ کرکے کمرے میں آئے۔ اس وقت تک سانپ کا نصف حصّہ پلنگ پر تھا اور باقی نصف حصّہ پھن سمیت باہر نکلا ہوا تھا۔ وہ اپنی لمبی سی زبان نکال کر پھنکار رہا تھا۔ بھائی جان نے اللہ کا نام لے کر پہلا فائر کیا۔ سانپ زخمی ہو کر پلنگ سے نیچے گرا اور تڑپنے لگا، لیکن دوسری گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

میں نے بے اختیار اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس موذی جانور سے نجات دِلائی اور میرا بال بیکا تک نہ ہوا۔

اب جب بھی وہ دن مجھے یاد آتا ہے، خوف کے مارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ "انسان کو مشکل سے مشکل وقت میں بھی ہوش اور ہمت سے کام لینا چاہیے۔"

مَامتا

نائلہ رُوحی

سُورج اپنی کرنیں سمیٹنے مغرب کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ بستی ساحلِ سمندر پر واقع ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ اندھیرا تیزی سے پھیل

رہا تھا۔ شمال میں جو جنگل تھا اس میں ہوا کی تیزی کی وجہ سے درخت شائیں شائیں کر رہے تھے اور بہت خوف سا محسوس ہوتا تھا۔

زولا اپنے پانچ سالہ شبّی کا انتظار کر رہی تھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے گیا تھا۔ لیکن ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ یکایک اٹھ کھڑی ہوئی اپنے شبّی کو ڈھونڈنے کے لیے۔

لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، لیکن زولا اپنے بیٹے کو ڈھونڈھ رہی تھی۔ اسے تیز ہوا کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح شبّی کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ حلوائی کی دُکان پر پہنچی جو دُکان بند کر رہا تھا۔ اس نے حیران ہو کر زولا کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات پوچھتا زولا بولی "تم نے میرے بیٹے کو تو کہیں نہیں دیکھا؟"

اُس نے کوئی جواب دیے بغیر سر کے اشارے سے جنگل کی طرف اشارا کیا۔ زولا پاگلوں کی طرح جنگل میں داخل ہوئی۔ حلوائی نے اسے آواز دی، لیکن اس نے کسی بات پر دھیان نہیں دیا۔

زولا تیزی سے جنگل میں جا رہی تھی۔ آگے اُسے ایک شیر نظر آیا جو کئی دن سے بھوکا تھا۔ اس نے جب ایک عورت کو اس طرح آتے دیکھا اور اس کے چہرے پر مامتا دیکھی تو راستہ چھوڑ کر الگ ہوگیا۔ اسی طرح آگے اُسے ایک اژدہا نظر آیا جو اپنے شکار کے انتظار میں بیٹھا تھا لیکن اُس نے بھی اس کے چہرے پر برستی ہوئی ممتا دیکھی تو راستہ چھوڑ دیا۔

وہ بڑھتی گئی۔ اسے ایک برگد کا بوڑھا درخت نظر آیا۔ برگد کے پتے نہیں تھے۔ زولا نے اس سے پوچھا "اے برگد، کیا تم نے میرے بیٹے کو دیکھا ہے؟"

برگد کا جواب سن کر تھوڑی دیر کے لیے اس کے قدم ڈگمگائے، لیکن پھر اس نے اس کی شرط مان لی۔ بوڑھے برگد نے کہا تھا کہ تم مجھے اپنے خوبصورت بال دے دو۔ زولا نے انکار کیا تو برگد نے کہا کہ تم یہاں سے سیدھی چلی جاؤ۔ ایک سال بعد ایک جھیل پر پہنچ جاؤ گی، لیکن پھر زولا نے حامی بھرلی اور برگد نے اسے راستہ بتا دیا۔ وہ فوراً آگے چل پڑی۔ تھوڑی دُور گئی تھی کہ جھیل کا پانی اُچھلتا، کودتا پتھروں میں سے گزرتا ہوا آگے پہاڑوں میں گم ہوتا ہوا معلوم ہوا۔

اس نے جھیل کے آگے بھی اپنا سوال دُہرایا تو جھیل نے کہا کہ تم مجھے اپنی خوب صورت نیلی آنکھیں دے دو میں تمھیں راستہ بتا دوں گی۔

وہ چلائی "نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا اگر میں تمھیں اپنی آنکھیں دے دوں گی تو اپنے بیٹے کو کیسے دیکھوں گی؟"

جھیل نے کہا "اچھا تو میرے کنارے کنارے چلتی رہو، ایک سال بعد تمھیں ایک پُل نظر آئے گا۔"

"اس پر سے مجھے پار کر لینا۔" زولا بہت روئی، چیخی چلائی، لیکن جھیل نے اس کی ایک بات نہ مانی تو اس نے بڑی بے رحمی سے اپنی آنکھیں نوچ کر جھیل کو دے دیں۔ جھیل نے خوشی خوشی اسے راستہ دے دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے شبی کو آواز دیتی مگر اسے کوئی جواب نہ ملتا۔ وہ ہر دفعہ منتظر رہتی کہ ابھی اس کا شبی آکر اس کے گلے میں باہنیں ڈال دے گا مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ لیکن ایک دفعہ جب شبی کی آواز سنائی دی تو وہ خوشی کے مارے اچھل پڑی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگی، لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ جس طرف وہ تیزی سے بڑھ رہی ہے وہاں موت کی جادوگرنی اپنا جال بچھائے اس کی منتظر کھڑی ہے اور اس کا پیارا بیٹا شبی بھی موت کی گود میں سویا ہوا تھا۔ وہ بار بار شبی کو پکار رہی تھی۔

زولا جب وہاں پہنچی تو جادوگرنی نے بڑی بھیانک آواز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا، "تم بھی تھوڑی دیر بعد اپنے شبی کے ساتھ مل کر موت کی گود میں سو جاؤ گی۔"

وہ چلائی، "نہیں نہیں، میرا شبی مجھے واپس دے دو اور مجھے بھی چھوڑ دو۔"

جادوگرنی بولی، "مجھے تم پر رحم آتا ہے۔ میں تمہارے بدلے تمہارے بیٹے کو چھوڑ دوں گی۔"

زولا روتی ہوئی بولی "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو، کیا تم میں رحم کا ذرا بھی جذبہ نہیں ہے؟"

جادوگرنی نے اتنا بھیانک قہقہہ لگایا کہ اس کا دل دہل گیا۔ جادوگرنی نے کہا، "رحم؟ یہ کس چڑیا کا نام ہے؟ یہاں رحم کے نام کو کوئی نہیں جانتا۔"

اور پھر وہ موت کی گود میں سو گئی۔ لیکن اس کا شبی اب دوبارہ جاگ چکا تھا، صبح ہو چکی تھی، سورج اپنی کرنیں پھیلانے آچکا تھا۔ شبی بوڑھے برگد تلے سویا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر جب سورج کی کرنیں پڑیں تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے حیرانی سے بوڑھے برگد کے بالوں کو دیکھا اور گھر کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

اگست کے اہم واقعات

انوار علی۔ کراچی

یکم اگست ۱۹۶۰ء کو قائد اعظمؒ کے مقبرے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

۲ اگست ۱۹۲۲ء کو گراہم بیل کا انتقال ہوا۔

۳ اگست ۱۹۶۰ء کو نائیجیریا کو آزادی ملی۔

۴ اگست ۱۹۵۵ء کو برطانیہ کا جرمنی کے خلاف اعلان جنگ۔

۵ اگست ۱۹۵۵ کو اسکندر مرزا پاکستان کے قایم مقام گورنر جنرل بنے۔

۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے مشہور شہر ہیروشیما پر ایٹم بم

گرایا گیا۔

۷ اگست ۱۹۵۴ء کو حکومتِ پاکستان نے ابوالاثر حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا قومی ترانہ منظور کیا۔

۸ اگست ۱۸۱۰ء مرزا اسداللہ خان غالب کی شادی ہوئی۔

۹ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے شہر ناگاساکی پر ایٹم بم گرایا گیا۔

۱۰ اگست ۱۹۷۳ء چودھری فضل الٰہی پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۱ اگست ۱۹۶۰ء کو چاڈ کو مکمل خود اختیاری دے دی گئی۔

۱۲ اگست ۱۹۱۴ء کو برطانیہ نے ہنگری اور آسٹریلیا کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

۱۳ اگست ۱۹۵۱ء کو پاکستانی ترانہ پہلی بار ریڈیو پر سنایا گیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آیا۔

۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو نپولین بوناپارٹ پیدا ہوا۔

۱۶ اگست ۱۹۶۱ء بابائے اردو مولوی عبدالحق نے وفات پائی۔

۱۷ اگست ۱۹۷۵ لبنان کے صدر فرنجی برسرِ اقتدار آئے۔

۱۸ اگست ۱۲۳۵ء کو مشہور شاعر امیر خسرو پیدا ہوئے۔

۲۰ اگست ۱۵۵۹ء کو شاہ ولی اللہ نے وفات پائی۔

۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو المناک سانحہ آتش زنی پیش آیا۔ مسجدِ اقصیٰ کو نقصان پہنچا۔

۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان میں سرکاری دفاتر میں جمعہ کو آدھی چھٹی قرار دی گئی۔

۲۳ اگست ۱۹۱۴ء کو جاپان نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

۲۴ اگست ۱۹۲۱ء کو برطانیہ کا طیارہ گر کر تباہ ہو گیا۔

۲۵ اگست ۱۹۶۹ء کو قاہرہ میں عرب لیگ کا اجلاس ہوا۔

۲۶ اگست ۱۹۷۴ء کو پیرزادہ عبدالستار کا انتقال ہوا۔

۲۷ اگست کو پاکستان عالمی ادارہ صحت کا ممبر بنا۔

۲۸ اگست ۱۸۹۶ء کو فراق گورکھپوری پیدا ہوئے

۲۹ اگست ۱۹۵۶ء کو پاکستان کے سابق گورنر جنرل مسٹر غلام محمد کا انتقال ہوا۔

۳۰ اگست ۱۵۶۵ء کو مغل بادشاہ جہانگیر کی پیدائش ہوئی۔

۳۱ اگست ۱۸۷۰ء کو ڈاکٹر مونٹیسوری کی پیدائش ہوئی۔

سنہری خربوزہ

محمد توحید جان، حیدرآباد سندھ

چین کے ایک گاؤں میں ایک خدا ترس عورت رہتی تھی۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا، لیکن گاؤں والے اسے "ہمو" کہتے تھے۔ وہ کوئی امیر عورت نہیں تھی مگر خدا نے اس کا دل اتنا امیر بنایا تھا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہوتا اپنے مہمانوں کو کھلا دیتی۔ اگر اسے خود بھوکا رہنا پڑتا تو وہ اس کی بالکل پرواہ نہ کرتی۔ اس کا خاوند فوج میں نوکر تھا۔ وہ اپنی تنخواہ میں سے جس قدر رقم بھیجتا نیک دل "ہمو" اس رقم کو مہمانوں کی خاطر تواضع میں خرچ کر دیتی اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتی۔

اچانک لڑائی چھڑ گئی اور اس کے خاوند کے خط آنا بند ہو گئے اور خرچ آنا بھی بند ہو گیا۔ "ہُو" بڑی پریشان ہوئی۔ اسی حالت میں کئی مہینے گزر گئے۔ اب اس کے گھر میں تنگ دستی بڑھ گئی مگر وہ اپنے گھر کی چیزیں بیچ بیچ کر ہر آنے جانے والے کی خاطر کرتی رہی۔ جب اس کے گھر میں کچھ بھی باقی نہ رہا اور فاقوں تک نوبت آ گئی تو اس نے اپنے گھر کے باہر ایک چھوٹے سے کھیت میں سبزی کی کاشت شروع کر دی۔

وہ دن بھر محنت کرتی اور کھیتی باڑی کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے کرتی اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا اس سے پہلے کی طرح گاؤں میں آنے والے مسافروں کی خاطر داری میں خرچ کر دیتی۔

ایک دن وہ اپنے کھیت سے واپس آ رہی تھی کہ راستے میں اُسے زمین پر ایک چڑیا تڑپتی ہوئی نظر آئی۔ اُس نے چڑیا کو بڑے پیار سے اٹھایا، دیکھا کہ اُس کے دونوں بازو زخمی ہیں۔ وہ چڑیا کو اپنے گھر لے آئی اور اس کا علاج کرنا شروع کر دیا۔

گاؤں میں "ہُو" کی ایک پڑوسن ایسی تھی جو اُس کی عزت اور شہرت دیکھ کر جلتی تھی اور ہمیشہ اس کے اچھے کام کی ہنسی اُڑاتی تھی۔ جب اس نے ہُو کو ایک معمولی چڑیا کا علاج کرتے دیکھا تو اُسے جاہل اور بے وقوف عورت کہہ کر پکارنے لگی۔ مگر "ہُو" نے اپنی پڑوسن کی باتوں کا بُرا نہ مانا بلکہ چُپ چاپ چڑیا کا علاج کرتی رہی۔ دو تین دن بعد چڑیا اچھی ہو گئی تو پھُر سے اُڑ گئی۔ رحم دل ہُو بہت خوش ہوئی۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ہُو کھڑکی پر بیٹھی اپنی غریبی پر غور کر رہی تھی کہ وہی چڑیا ہو کے پاس آئی اور اپنے منہ سے ایک دانہ نکال کر ہُو کے ہاتھ میں رکھ کر چلی گئی۔ ہُو کی پڑوسن بھی اس وقت اتفاق سے اپنے مکان کی کھڑکی پر کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ اور دل ہی دل میں جل رہی تھی کہ اب تو پرندے بھی ہُو سے پیار کرنے لگے۔

ہُو نے دانے کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کسی پھل کا بیج ہے، چناں چہ اس نے جلدی سے جا کر اسے اپنے کھیت میں بو دیا۔ تھوڑے دنوں بعد ہی کھیت میں ایک خربوزہ پیدا ہوا جس کا رنگ بالکل سنہری تھا۔ ہُو اس عجیب و غریب خربوزے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہ تو بالکل ایک بڑے تربوز کے برابر ہے۔ اسی شام کو ہُو کے یہاں ایک مہمان آ گیا۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بے چاری ہو خود بھی فاقے سے تھی۔ سوچنے لگی اب کیا کرے؟ اچانک اسے سنہری خربوزے کا خیال آ گیا۔ وہ بھاگی بھاگی کھیت میں گئی اور خربوزہ توڑ کر لے آئی۔ صاف کر کے اسے چھُری سے جو کاٹا تو کیا دیکھتی ہے کہ خربوزے کے اندر سے بے شمار سونے کی ڈلیاں جھلک رہی ہیں۔ اس قدر سونا دیکھ کر ہُو بے حد خوش ہوئی۔ اس نے بازار جا کر ایک ڈلی فروخت کر ڈالی اور کھانے پینے کا بہت سارا سامان خرید لائی اور اپنے مہمان کی خوب

خاطر کی اور عمدہ عمدہ کھانے کھلائے۔

اب ہُو اپنے گاؤں کی امیر ترین عورت بن گئی۔ اس کی پڑوسن نے جب یہ رنگ دیکھا تو ہُو سے پوچھا کہ یہ دولت تمہارے پاس کہاں سے آئی؟ ہُو بے چاری بڑی نیک دل اور ہمیشہ سچ بولنے والی عورت تھی، اس نے اپنی پڑوسن کو دولت کے حصُول کی تمام کہانی سنا دی۔ پڑوسن کے دل میں بھی اتنی ساری دولت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چناں چہ اُس نے اپنے کھیت سے ایک چڑیا پکڑی اور گھر لا کر اُس کی دونوں ٹانگیں توڑ دیں۔ اس طرح چڑیا کو زخمی کرنے کے بعد ہُو کی طرح بڑی محنت سے چڑیا کا علاج شروع کر دیا۔ جب چڑیا تن درست ہو گئی تو اُڑ گئی۔

اب وہ ہر روز کھڑکی میں بیٹھ کر چڑیا کی واپسی کا انتظار کرنے لگی، چناں چہ ایک روز وہی چڑیا اڑتی ہوئی آئی اُس کے ہاتھ میں ایک بیج گرا کر چلی گئی۔ وہ بیج کو پا کر بہت خوش ہوئی جیسے قارون کا خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جھٹ پٹ اپنے کھیت میں جا کر بڑی احتیاط سے وہ بیج بو دیا۔ کچھ دنوں کے بعد بالکل ویسا ہی خربوزہ پیدا ہوا۔ وہ خربوزے کو بیل سے توڑ کر گھر لے آئی، گھر کے تمام دروازے اندر سے اچھی طرح سے بند کر لیے اور خوشی خوشی خربوزے کو کاٹنے لگی۔ جوں ہی خربوزہ کٹا تو اس میں سے بے شمار شہد کی مکھیاں بھِن بھِن کرتی ہوئی نکلیں اور اس ظالم اور حاسد عورت کے چہرے پر چمٹ گئیں اس نے زور زور سے چلّانا شروع کر دیا۔ مگر کسی نے بھی اُس کی آواز نہ سُنی، کیوں کہ گھر کے تمام دروازے بند تھے۔ شہد کی مکھیوں نے اس کے منہ اور جسم کو کاٹ کاٹ کر لہولہان کر دیا۔ ہُو کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ فوراً پڑوسن کی خبر گیری کے لیے گئی اور آتے وقت سونے کی ڈلی اس کو دے آئی۔ ہُو کا یہ سلوک دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئی۔ جب تک زندہ رہی ہمیشہ ہُو کی دل و جان سے عزت کرتی رہی۔

اُستاد کا ادب

شمیم احمد صدّیقی، کراچی

ہارون رشید مسلمانوں کا بہت بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے ایک بیٹے کا نام مامون تھا۔ مامون کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی تھی۔ ایک تو شہزادہ دوسرے حد سے زیادہ لاڈ پیار۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مامون بہت شریر ہو گیا۔ شاہی محل کے تمام نوکر چاکر اس کی شرارت سے عاجز تھے۔ بڑے بڑوں کو پیٹ دیتا تھا۔ اور سب اس کی مار خاموشی سے برداشت کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ اس کو کسی کی بھی پرواہ نہ تھی۔ ڈر تو اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ ہر وقت کھیل کُود میں لگا رہتا تھا۔

مامون جب ذرا بڑا ہوا تو اس کی تعلیم و تربیت

کے لیے استاد مقرر کر دیے گئے۔ استاد مامون کو پڑھانے محل گئے۔ مامون کو آواز دی مگر وہ کھیل کود میں لگا رہا۔ ملازموں سے بلوایا گیا مگر مامون نے ذرا پرواہ نہ کی۔ ملازموں نے آکر شکایت کی کہ وہ کسی کی نہیں سنتا ہم بلانے گئے تو اس نے ہم کو پیٹ دیا۔

استاد مامون کی بد دماغی سمجھ گئے۔ کسی طرح اس بلایا۔ جب وہ آگیا تو سات بید رسید کیے۔ مامون کو بلبلا اٹھا، مگر منھ سے کچھ نہ بولا۔ آج تک اُس نے کسی کی مار برداشت نہیں کی تھی، مگر اُستاد کے ادب سے اُف تک نہ کی اور چُپ کے سے آنسو بہا کر خاموش ہو گیا۔ اتنے میں اُدھر وزیر آنکلا۔ مامون ادب سے بیٹھا پڑھتا رہا۔ جب وہ چلا گیا تو اُستاد نے کہا، ”مامون! تم نے مار کھانے کی شکایت نہ کی؟“

مامون نے کہا، ”استادِ محترم! آپ نے مجھے میری بھلائی کے لیے مارا تھا۔ پھر میں کسی سے شکایت کیوں کرتا۔ وزیر تو وزیر ہیں اگر میرے والدِ محترم جو بادشاہ ہیں، اِدھر تشریف لاتے تو اُن سے بھی شکایت نہ کرتا۔

ہمیں ہمیشہ اپنے استادوں کا ادب اور تعظیم کرنا چاہیے۔

نونہال

سمیع اللہ عاجز، کراچی

سب بچّوں کا راج دُلارا
اور بڑوں کی آنکھ کا تارا
معلومات بڑھاتا ہے
سب کے دل کو بھاتا ہے
دُنیا کی سیر کراتا ہے
مُلک مُلک لے جاتا ہے
اس کے لطیفے سب سے بہتر
اس کا سکّہ سب کے دلوں پر
اس کے افسانے ہیں گھر گھر
اس سے سبق لو پیارے بچو
پڑھتے رہو ہر ماہ تم اُس کو
اوروں کو بھی شوق دلاؤ

نوبل پرائز حاصل کرنے والی عورتیں

محمد اکرام یاسین۔ کراچی

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ سب سے پہلے نوبل پرائز عورتوں میں مادام کیوری نے حاصل کیا مگر یہ بات بہت کم بچّے جانتے ہیں کہ نوبل پرائز کن کن عورتوں کو کب اور کیوں ملا؟

آیئے! ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ پہلی بار نوبل انعام ۱۹۵۱ء میں دیے گئے، مگر کسی عورت کو سب سے پہلے یہ انعام ۱۹۰۳ء میں دیا گیا۔ اب تک ۱۴ عورتوں کو نوبل انعام ملا ہے۔ جن میں سائنس کے پانچ، امن کے تین اور ادب کے ۶۔ انعام شامل ہیں۔ سب سے پہلے مادام کیوری کو نوبل پرائز ملا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مادام کیوری وہ واحد خاتون ہیں جنھیں یہ انعام دو بار ملا۔ پہلی بار ۳۵ سال کی عمر میں دوسری بار ۴۳ سال کی عمر میں۔

عالمی امن کے سلسلے میں پہلی بار نوبل انعام دو بار ملا۔ پہلی بار نوبل انعام مسز برتھا وان سٹنر کو ۱۹۰۵ء میں دیا گیا۔ مسٹر برتھا وان آسٹریلوی خاتون تھیں ان کے علاوہ امن کا نوبل انعام دو عورتوں کو اور ملا جن کے نام یہ ہیں:

جین ایڈمس اور ایملی داکب۔ یہ دونوں خواتین امریکا کی مشہور سماجی کارکن تھیں۔

ادب میں کل چھ انعام دیے گئے۔ خواتین میں ادب کا نوبل پرائز سلیما لاگرلوف نے سب سے پہلے حاصل کیا۔ یہ سویڈن کی ادیبہ تھیں۔ ان کے علاوہ پانچ خواتین کے نام درجِ ذیل ہیں۔

گرتزیجیا ڈلیڈا۔ ان کو یہ انعام ۵۱ برس کی عمر میں ۱۹۲۶ء میں دیا گیا۔

سگرٹ امسیٹ: انھوں نے یہ انعام ۴۶ سال کی عمر میں ۱۹۲۸ء میں حاصل کیا۔ ان کا تعلق ناروے سے تھا۔

پیرل بک: امریکا کی رہنے والی تھیں ان کو ادب کا نوبل پرائز ۱۹۳۸ء میں ملا۔

گبریلا مسرال: چلی کی خاتون تھیں۔ انھوں نے ۱۹۴۵ء میں ۵۶ برس کی عمر میں نوبل پرائز حاصل کیا۔ اس کے علاوہ نیلی شاکس نے ۱۹۶۶ء میں ادب کا نوبل پرائز حاصل کیا۔

سائنس کے میدان میں مادام کیوری کے علاوہ جن خواتین نے نوبل پرائز حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں: آئرن جیولٹ: ۱۹۳۵ء میں نوبل پرائز ملا۔
گرہیٹی تھریسیا کوری: سائنس میں نوبل انعام ۱۹۴۷ء میں دیا گیا۔
ماریا جیوپرٹ میئر: ۱۹۶۳ء میں نوبل انعام حاصل کیا۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نوبل انعام حاصل کرنے میں (جو کہ دُنیا کا سب سے بڑا انعام ہے) عورتیں بھی پیچھے نہیں رہیں۔

بابائے اُردو

ایس ایم ارشاد تسکار پور

اِس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اُردو کی جتنی خدمت عبدالحق نے کی ہے، دُنیا کے کسی اور شخص نے نہیں کی، حتّٰی کہ اُردو کے تمام ادیب اور عاشق ایک طرف ہو جائیں تب بھی عبدالحق کا پلڑا بھاری رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو بابائے اردو کے عظیم خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ بابائے اُردو کو اگر شہنشاہِ اُردو کہا جائے تو بھی غلط نہ ہوگا۔

بابائے اُردو نے اُردو کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا لیا تھا۔ آپ نے اُردو زبان کو اپنے میں اور اردو زبان میں اپنے آپ کو ضم کر لیا تھا۔ آپ کو جتنی محبت اردو زبان سے تھی اتنی دنیا کی کسی چیز سے نہ تھی حتیٰ کہ آپ کو اپنی زندگی سے بھی اتنی محبت نہ تھی۔

آپ کا اُردو سے عشق اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے جس میں آپ نے کہا تھا کہ میں اُردو کے لیے گھر گھر جا کر بھیک مانگنے کو تیار ہوں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ۱۸۹۵ء میں علی گڑھ سے بی اے کیا۔ آپ ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو کے آنریری سیکریٹری اور اورنگ آباد کالج کے پرنسپل بنے اور یہیں آپ نے اپنی زندگی کا مشن تلاش کیا، یعنی اردو زبان کو اس کا صحیح اور جائز حق اور مقام دلانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ۱۹۲۱ء میں ایک سہ ماہی رسالہ "اُردو" کے نام سے اردو زبان میں شائع کیا۔ یہ رسالہ اپنے زمانے میں کافی مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو زبان کے مسائل حل کرنے کے لیے پندرہ روزہ اخبار "ہماری زبان" جاری کیا پھر کراچی سے "قومی زبان" جاری کیا جو اب بھی شائع ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے اُردو زبان میں سائنس اور معاشیات کے رسالے بھی جاری کیے۔ آپ نے جامعہ عثمانیہ میں اُردو کی پروفیسری کے دوران بھی اُردو کی کافی خدمت کی۔

آپ کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۳۹ء میں آپ نے اُردو کے مسائل حل کرنے کے لیے کُل ہند (پاک و ہند) اردو کانفرنس بلائی جس میں آپ نے اردو کے مسائل بڑی خوبی اور دلیری سے پیش کیے۔

بابائے اردو کو انگریزی زبان پر بھی مکمل عبور حاصل تھا پھر بھی آپ اپنے سارے کام اُردو ہی میں کرتے تھے اور دورانِ گفت گو خالص اُردو لہجہ استعمال کرتے تھے۔ آیئے ہم سب مل کر بابائے اُردو جیسے عظیم انسان کو خراجِ تحسین پیش کریں۔

شریر گڑیا

انوار المنتظرہ ہاشمی

بے بی گڑیا نام تھا اس کا
سب سے لڑنا کام تھا اُس کا
گڈّو، پپّو، مُنّو، کا کُو
سب کہتے تھے اُسے لڑاکو
صبح کو دیر سے اُٹھتی تھی وہ
سب سے جھگڑا کرتی تھی وہ
تھی وہ شرارت دن بھر کرتی
سب کو پریشاں کرتی تھی وہ
خالہ جان کی نقل اُتاری
بھائی جان کی کاپی پھاڑی
ٹکڑے کی اُمّی کی ساڑی
اور توڑی پپّو کی گاڑی
ابّو نے اُس کو سمجھایا
لڑنا جھگڑنا ختم کرایا
اب ہے وہ ایک اچھی بچّی
کام کی پکّی، بات کی سچّی
سب کے دل کو بھاتی ہے وہ
روز مدرسے جاتی ہے وہ

ہمارے قائدِ اعظم

آنسہ شگفتہ فرحت۔ کراچی

حکومتِ پاکستان نے ۱۹۷۶ء کو قائدِ اعظم کی صد سالہ تقریبات کا سال قرار دیا ہے۔ یہ فیصلہ یقیناً دانش مندانہ ہے۔ اس سال قائدِ اعظم سے متعلق جتنی بھی تقریبات ہوں گی اس سے ہماری نسلِ نو اپنے عظیم قائد سے متعلق ان کی حصولِ پاکستان کی جدوجہد، جذبۂ ایمان اور وطن کی محبت سے روشناس ہوگی۔ ویسے تو حکومت نے اپنی طرف سے شاندار قدم اٹھایا ہے، لیکن نئی نسل کو بھی چاہیے کہ وہ قائدِ اعظم کی اس کاوش، پاکستان کو اپنی محنت و محبت سے چار چاند لگائے جس کا خواب علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا۔

تقریباً ہر طالب علم شعوری یا لاشعوری طور پر کسی نہ کسی شخصیت سے ضرور متاثر ہوتا ہے اور وہ شخصیت اس کا آئیڈیل ہوا کرتی ہے۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ بھی اس کے نقشِ قدم پر چلے اور اس کے زرّیں اصولوں کو اپنائے۔ میری پسندیدہ شخصیت وہ شخصیت ہے جس نے برصغیر میں مایوسی کے عمیق سمندر میں ڈوبے ہوئے احساسِ محرومی کے شکار مسلمانوں کے دلوں میں امید کی جوت جلائی اور جس نے ان کو انگریزوں کی غلامی کے طوق سے نجات دلائی اور جن کی مدبرانہ رہنمائی میں مسلمانوں نے ایک جداگانہ مملکت پاکستان کے نام سے حاصل کر لی اور آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔

ہمارے عظیم قائد محمد علی جناح نے ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی کے علاقے کھارادر واقع وزیر مینشن میں آنکھ کھولی۔ آپ کے والد شہر کے ایک ممتاز تاجر تھے۔ آپ قائدِ اعظم کو بھی تجارت میں لانا چاہتے تھے، لیکن بقول اُن کے "بچے کا مستقبل اس کے گہوارے سے ہی ظاہر ہوتا ہے" قائدِ اعظم میں ایسی کوئی بات نہ تھی کہ وہ ایک کامیاب تاجر بن سکتے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کراچی کے مشہور اسکول سندھ مدرسۃ الاسلام میں حاصل کی اور میٹرک پاس کرنے کے بعد قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ تشریف لے گئے۔ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہاں سے بیرسٹر بن کر برصغیر کی سرزمین پر قدم رکھا۔ یہ وہ وقت تھا جب انگریز برصغیر پر اپنا تسلّط جما چکے تھے اور مسلمان اور ہندو دونوں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ قائدِ اعظم چاہتے تو اُن کے قدموں میں دولت کے ڈھیر جمع ہو سکتے تھے، لیکن آپ نے اپنی قابلیت اور لیاقت برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دی اور دولت کے حصول کے بجائے سیاست کے خارزار میں قدم رکھا اور اپنی خداداد صلاحیت اور قائدانہ قابلیت سے برصغیر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا، جہاں سے انھوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا اور آج مسلمان انھی کی بدولت آزاد سرزمین پر آزاد انسان کی حیثیت سے جی رہے ہیں۔

قائدِ اعظم کے دل میں ابتدا سے ہی مسلمانوں کے لیے درد تھا۔ ان کا دل مسلمانوں کی کس مپرسی اور بے چارگی پر خون کے آنسو روتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ برصغیر کے مسلمان بھی اپنی ایک جداگانہ مملکت میں آزادانہ سانس لیں۔ جہاں ان کو تحریر و تقریر کی آزادی ہو اور جہاں وہ دیگر اقوامِ عالم کو اُخوت و مساوات کا پیغام دے سکیں، چنانچہ آپ نے اس زرّین مقصد کے حصول کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ نے دولت کی پرواہ کی اور صحت کا خیال نہ رکھا۔ بس ایک ہی تصوّر ان کے دماغ میں تھا کہ برصغیر کے مسلمان آزادی حاصل کر لیں۔ آپ نے اس مقصد کے لیے مسلم لیگ میں نئی رُوح پھونکی جو بہت ہی جلد مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن گئی۔ مسلمان مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور اپنی آزادی کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ قائدِ اعظمؒ نے اپنی تحریر و تقریر سے مُسلمانوں کے مُردہ دلوں کو شادمانی، اور مایوسی کے تاریک اندھیروں میں بھٹکنے والے اذہان کو امید کی کرن سے روشن کر دیا۔ یہ قائدِ اعظم ہی کی مدّبرانہ قیادت ہی کا نتیجہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے آزادی حاصل کر لی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مشرق سے اُبھرتے والی سورج کی پہلی کرن نے ان کو آزادی کی مبارک باد دی۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد مہاجرین کے لُٹے پٹے قافلوں نے برصغیر کی سرزمین پر قدم رکھا۔ قائدِاعظم اُن کی حالت دیکھ کر افسوس کرتے تھے اور آزادی کے بعد ان کے مسائل حل کرنے میں قائدِاعظم نے ان تھک محنت کی اور انھیں پاکستان میں آباد کرنے کے لیے دن رات ایک کر دیئے۔

اَن تھک محنت اور لگاتار خرابیِ صحت سے قائدِاعظم بیمار رہنے لگے، لیکن ان کو اپنی بیماری کی حالت میں بھی اپنی قوم کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ جب اُن کے معالج اُن کو آرام کا مشورہ دیتے تو آپ کہتے کہ، مجھے کام کرنا ہے۔

آپ کی بڑھتی ہوئی بیماری نے آپ کو نڈھال کر دیا اور طویل عرصے تک بیماری سے مقابلہ کرتے رہنے کے بعد اس عظیم رہنما نے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور قوم کو اکیلا چھوڑ کر خدا کے حضور چلا گیا۔

آج قائدِ اعظم ہم میں موجود نہیں لیکن ان کے یقین، محکم، عملِ پیہم کے زرّین اصول آج بھی قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ قائدِ اعظمؒ کی رُوح کو خوش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اُن کے زرّین اصولوں کو اپنائیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر پاکستان کو ایک فلاحی مملکت بنائیں۔

اُلٹا پلٹا

انور اقبال۔ کویت

آصف کو دوسروں کی باتیں چھُپ کر سننے کا بڑا شوق تھا۔ ویسے وہ بڑا عقل مند لڑکا تھا۔ سارے اسکول میں اس کی ذہانت کا چرچا تھا، لیکن وہ اپنی ذہانت کا استعمال پڑھائی سے زیادہ شرارتوں میں کرتا تھا۔ اس کے والد کی اناج کی چھوٹی سی دکان تھی۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے بچّوں کا پیٹ پالتے تھے۔ آصف کے والد اور ماسٹر اس کی دوسروں کی باتوں کو چھُپ چھُپ کر سننے کی عادت پر ٹوکا کرتے تھے، لیکن وہ یہ جواب دیتے کہ اس میں بُرائی ہی کیا ہے۔ جہاں بھی تین چار آدمی باتیں کرتے تو آصف چھُپ کر ان کی باتیں سنتا۔ یہاں تک کہ ٹیلی فون پر بھی کوئی کسی سے بات کرتا ہوتا تو آصف اُس کی یک طرفہ بات چیت کو سننے سے بھی نہ چُوکتا تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ آصف کا یہ شوق بھی بڑھتا گیا۔ اب اس نے تعلیم حاصل کرنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اپنے والد کے ساتھ دکان پر ہاتھ بٹانے لگا تھا۔ یہاں بھی اُس کا یہی رنگ تھا۔ اس کا باپ جب اُسے اناج لینے کے لیے منڈی بھیجتا تو وہ بیوپاریوں کی گفت گو کان لگا کر سنتا تھا۔ بڑے تاجر اور سیٹھ لوگ یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے کہ بچہ ہی تو ہے ہمارا کیا بگاڑے گا۔ تاجروں میں اگر بھاؤ بڑھانے کے مشورے ہوتے تو قیمتیں بڑھنے سے پہلے ہی آصف اپنے والد سے کہہ کر اناج کا اسٹاک چھُپا دیتا اور قیمتیں بڑھنے کے بعد اُن سے دُگنا نفع حاصل کر لیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے چند مہینے کے اندر آصف کے گھر کا نقشہ بدل گیا۔ رفتہ رفتہ آصف کا شمار شہر کے بڑے تاجروں میں ہونے لگا۔ اس کی دُکان بھی ترقی کر گئی تھی۔ شہر کے مختلف علاقوں میں اس نے خفیہ گودام بھی بنوائے تھے۔ آصف اب نوجوان تھا اور بڑے بڑے سرکاری افسروں سے اس کی دوستی تھی۔ دولت اور شہرت اُس کے قدم چُوم رہی تھی۔ آصف دل ہی دل میں خوش تھا کہ اس کی یہ کامیابی اُسے دوسروں کی باتیں چھُپ کر سننے کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔

وہ دن آصف کے لیے بے پناہ خوشی کا دن تھا۔ سیٹھ آصف کی نئی کوٹھی کا افتتاح ہو رہا تھا۔ افتتاحی تقریب کوٹھی کے اندرونی ہال میں ہو رہی تھی، شہر کے سینکڑوں امیر، تاجر اور افسر موجود تھے۔ آصف پارٹی کے انتظامات اور مہمانوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں کافی مصروف تھا۔

سارے مہمان اس کی قابلیت اور قسمت پر رشک کر رہے تھے کہ اچانک اس کے بچپن کا ایک دوست، عدنان اقبال جو اب سی۔ آئی۔ ڈی انسپکٹر بن چکا تھا اس کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ آصف نے دیکھا تو بڑے تپاک سے ملا اور کہا کہ عدنان تم بڑے اچھے موقع پر آئے ہو۔ عدنان نے بھی مُسکراتے ہوئے جواب دیا،

"افسوس کہ میں تمہاری خوشیوں میں ساتھ دینے کے لیے نہیں بلکہ تمھیں اناج دبانے اور قیمتیں بڑھانے کے الزام میں گرفتار کر رہا ہوں۔ تمہارے سارے گوداموں پر چھاپے مار کر انھیں سیل کر دیا گیا ہے، اس لیے خاموشی سے میرے ساتھ چلے آؤ اور خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

یہ سُن کر آصف کا چہرہ اُتر گیا۔ عدنان کے ساتھ جاتے ہوئے اس نے راستے میں پوچھا "میں نے اپنے کار بار میں نہایت ہوشیاری اور رازداری سے کام لیا تھا... تمھیں میرے گوداموں کی خبر کیسے ہوئی ؟"

عدنان نے جواب دیا "اتّفاق سے جو عادت تم میں تھی، میں بھی اس میں مبتلا ہوں۔ کل رات کار سے اُترتے ہوئے جب تم اپنے منیجر کو گوداموں اور اناج کے اسٹاک کے بارے میں ضروری ہدایتیں دے رہے تھے تو میں تمھاری کار کے پیچھے چھُپا ہوا تمھاری ساری باتیں سُن رہا تھا۔"...... اور آصف کے ذہن میں اپنا ہی یہ جُملہ گونج گیا...... "آخر اِس میں بُرائی ہی کیا ہے۔"

چھنگلو میاں

سیّد سُلیمان حسنی۔ کراچی

کسی زمانے میں ایک شہر میں ایک بہت چھوٹا لڑکا رہا کرتا تھا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی ماں اس کو بہت چاہتی تھی اور اس کا باپ اس کو اپنے کوٹ کی جیب میں بٹھا کر باغ میں پھول دکھانے لے جایا کرتا تھا۔

اُس چھوٹے لڑکے کا نام چھنگلو میاں تھا۔ ایک دِن وہ اپنے گھر سے دُور نکل گیا۔ اس نے دیکھا کہ لکڑیوں کے تختے کا ایک چھوٹا سا گھر بنا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر چھنگلو میاں نے یہ سوچا کہ چلو اس کو دیکھیں گے۔ یہ سوچ کر انھوں نے اس میں جھانک کر چاروں طرف دیکھا تو ان کو ہر طرف گھاس ہی گھاس نظر آئی۔ رات بہت ہو چکی تھی، اس لیے انھوں نے سوچا کہ رات یہیں گزارنی چاہیے اور گھاس پر لیٹ کر سو گئے۔ یہ ایک کالی مُرغی کا گھر تھا۔ مُرغی کھانے کی چیزیں لینے گئی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اس کی نظر چھنگلو میاں پر پڑی۔ وہ سمجھی کوئی کیڑا ہے۔ وہ اس کو چبائے بغیر سالم ہی نگل گئی۔ پھر کچھ دنوں بعد کالی مُرغی نے ایک درجن انڈے دیے۔

اِدھر چھنگلو میاں کے والدین اپنے بیٹے کی گُم شدگی پر بڑے پریشان تھے۔ ایک دن چھنگلو میاں کی امی نے ایک درجن انڈے خریدے۔ جب انھوں نے ان انڈوں کو توڑا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ انڈے میں سے اس کا پیارا بیٹا نکلا ہے۔

اس کے بعد چھنگلو میاں نے ماں سے وعدہ کیا کہ وہ کبھی اپنے گھر سے دُور نہیں جائیں گے۔ اس بات سے ان کے ماں باپ بہت خوش ہوئے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

بہادر لڑکی

یاسمین تبسّم، سنجھورو

شمیم النسا الجیریا کی ایک بہادر لڑکی تھی۔ وہ ایک یہودی گھرانے میں خادمہ تھی۔ اس کا آقا یوسف بن سلیمان الجیریا کے اُن لوگوں میں سے تھا، جو دولت کی ہوس

میں اپنے ملک کو غلام بنائے رکھنے کے لیے فرانسیسیوں کی سازشوں میں شریک رہتے تھے۔ ایک روز شمیم النسا نے اپنے آقا کو ایک فرانسیسی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اگر شیرِ الجیریا کو ہلاک نہ کیا گیا تو ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

شمیم النسا نے سوچا کہ اگر ان لوگوں نے دھوکے سے شیر الجیریا کو شہید کر ڈالا تو ملک پھر کبھی آزاد نہ ہو سکے گا۔ چناں چہ وہ خاموشی سے یوسف کی نگرانی کرنے لگی۔

ایک رات شمیم النسا نے دیکھا کہ اس کا آقا یوسف ایک خنجر کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہا ہے۔ پھر اُس نے اپنے ریوالور میں گولیاں بھی بھر لی ہیں۔ اب شمیم النسا کو یقین ہو گیا کہ وہ شیرِ الجیریا کے قتل پر آمادہ ہے، چناں چہ اُس نے یوسف کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ دبے پاؤں یوسف کے مہمان خانے میں گئی اور وہاں سے ایک خنجر لے کر اپنے کپڑوں میں چھُپا لیا۔ جب یوسف رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے نکل کر روانہ ہوا تو وہ بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے چل پڑی۔ یوسف اندھیرے میں آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا اور شمیم النسا سائے کی طرح اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ آخر یوسف ایک جگہ رُکا اور کسی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ شمیم النسا بھی اسی جگہ رُک گئی۔ اس نے اپنا خنجر بھی نکال لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اندھیرے میں سڑک پر ایک سایہ بڑھتا ہوا نظر آیا۔ یہ سایہ بڑھتا ہوا یوسف کے قریب پہنچا تو یوسف اچھل کر آگے بڑھا، لیکن ابھی وہ خنجر کو سائے کے سینے میں پیوست نہ کر پایا تھا کہ ایک خنجر چمک کر خود اُس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ یوسف کا جسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ سائے نے خاموشی سے شمیم النسا کا ہاتھ پکڑا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریبًا ایک میل چلتے رہنے کے بعد وہ دونوں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں اندھیرے کے باوجود چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے صاف نظر آ رہے تھے۔ یہ شخص اس کو لیے ایک ٹیلے کے عقب میں پہنچا۔ جہاں آدمی بیٹھے تھے۔ اس شخص نے شمیم النسا سے ابھی تک کوئی بات نہ کی تھی۔ ٹیلے کے پیچھے جا کر اس شخص نے پہلی مرتبہ ٹارچ سے شمیم النسا کو دیکھا اور پوچھا "تم کون ہو ؟"

شمیم النسا نے بغیر کسی خوف کے ساری بات کہہ دی۔

"شاباش !" اس شخص نے اپنا لبادہ اتارتے ہوئے کہا "تم نے قابلِ فخر کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس شخص کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی وہ میں ہی تو ہوں شیرِ الجیریا !"

شمیم النسا کے منھ سے نکلا "اچھا !"

شیرِ الجیریا نے شمیم النسا کو اگلی رات عزت اور حفاظت کے ساتھ اس ٹھکانے پر پہنچا دیا اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ گوریلا سپاہیوں کے خلاف ہونے والی باتوں کو نظر میں رکھے اور شیرِ الجیریا کو پہنچاتی رہے۔

جب وہ گھر پہنچی تو اُسے گرفتار کر لیا گیا اور

عدالت میں اس پر یوسف کے قتل کے مقدمے کے بعد موت کی سزا کا حکم سنایا گیا، لیکن اس نے اپنا جرم چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اس نے عدالت میں صاف صاف کہہ دیا کہ یوسف کو میں نے صرف اس لیے ہلاک کیا ہے کہ وہ میرے وطن کو غلام بنانے والوں کا مددگار تھا اور اگر میں زندہ رہی تو آئندہ بھی اپنے وطن کے دشمنوں کے ساتھ یہی سلوک کروں گی۔

شمیم النسا کو اسی وقت سزائے موت دے دی گئی۔ آزاد الجیریا کے باشندے اسلام کی اس بہادر بیٹی کا نام سن کر آج بھی عقیدت و احترام سے اپنا سر جھکا لیتے ہیں۔

ماہِ رمضان کی فضیلتیں

حفیظ الحق صغیر اعوان۔ سرگودھا

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا۔ وہ قرآن جو بنی نوع انسان کا رہنما ہے اور جس میں حق و باطل کے پرکھنے کے واضح حقائق موجود ہیں۔ قرآن و حدیث میں بھی اس ماہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ انسانی نفسیات کی اخلاقی تربیت کا مہینہ ہے اس ماہ میں پوری دنیا میں مسلمان قوم دوسری قوموں سے ممتاز و متمیز ہو جاتی ہے۔ یہ دین داری، شرافت، صبر، تحمل، تقویٰ، پرہیزگاری، باہمی احسان، مروت و رواداری کا موسم بہار ہے۔ اس مہینے میں ساری دنیا کے مسلمان صابر و شاکر ہونے کے ساتھ ساتھ کشادہ دست و فراخ دل ہوتے ہیں۔ ان میں خدا ترسی، رحم دلی، دیانت، امانت، اخوت اور مساوات فکر و عمل کا احساس اس طرح پیدا ہو جاتا ہے جیسے کسی خاص موسم میں خاص پھول کھل جاتے ہیں۔

رمضان شریف کے مہینے کی بے شمار برکات اور خوبیاں ہیں۔ مسلمانوں میں دین سے دوری اور گناہ گاری کے باوجود اس مہینے میں اللہ کی رضا کا حصول اور اس کی رضا پا لینے کی خواہش بیدار ہو جاتی ہے۔ پورے مہینے میں بھوک، پیاس اور دوسری حاجات کے سامنے حکم الٰہی کا بند بندھا ہوا ہے جو غیر محسوس اور بے حد مضبوط ہے۔ تنہائی ملتی ہے، کھانے پینے کے مواقع ملتے ہیں، لیکن مومن اپنی قوت ارادی اور قوت ایمانی کی مدد سے ایسے ہر موقعے پر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ روزہ ہر حالت میں آدمی کے اندر شرافت اور دین داری پیدا کرتا ہے۔

حضور اکرمؐ نے روزے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: "جس کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں ہے۔"

ایک اور جگہ فرمایا، "آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس سے سات سو گنا تک پھیلتی پھولتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کا جتنا چاہوں

بدلہ دیتا ہوں۔"

روزے ڈھال کی طرح ہیں جس طرح ڈھال دشمن کے وار سے بچنے کے لیے ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ شر فساد اور دوسری برائیوں سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا لڑائی کرے تو کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمھارے اس مشغلے میں حصہ لوں گا۔ روزے سے اخلاق کی حفاظت، نفس کی تربیت اور روح کی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک مسلمان روزے کی حالت میں صرف کھانے پینے ہی سے نہیں رکتا بلکہ گندی خواہشوں سے بھی باز رہتا ہے۔ گالی گلوچ، جھوٹ اور غیبت سے پرہیز کرتا ہے۔

روزہ جسمانی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ روزہ رکھنے سے بھوک اور پیاس کی تکلیف کا اندازہ ہوتا ہے بھوک پیاس برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی۔ حقیقی روزہ وہ کہلاتا ہے جو جسمانی کے ساتھ ساتھ قلبی بھی ہو۔ مثلاً جسمانی روزہ یہ ہے کہ ہر عضو روزے سے ہو۔ آنکھ بری چیز نہ دیکھے۔ کان بری بات نہ سنے، زبان بری بات نہ کہے۔ ہاتھ غلط کام نہ کریں۔ پاؤں بری یا غلط جگہ کے لیے نہ اٹھیں۔ دماغ برے خیالات نہ سوچے۔ غرض قلبی روزہ وہ ہے جس میں روزے دار کو اپنے نفس پر پوری پوری طرح قابو ہو۔

قائدِ اعظم کی دیانتداری

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح بہت دیانت دار انسان تھے۔ آپ کی دیانت داری کا ایک واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ ایک اسٹیشن آیا تو ٹکٹ چیکر گاڑی میں داخل ہوا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اپنے ٹکٹ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔ قائدِ اعظم نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ٹکٹ گم ہو چکا تھا پہلے تو آپ پریشان ہوئے، لیکن جب ٹکٹ چیکر جب آپ کے پاس آیا تو آپ نے جیب سے کچھ روپے نکال کر چیکر سے کہا، "میرا ٹکٹ گم ہو گیا ہے، اس لیے آپ نیا ٹکٹ بنا دیجیے۔"

ٹکٹ چیکر نے پوچھا، "آپ کہاں اتریں گے؟"

قائدِ اعظم نے کہا، "اگلے اسٹیشن پر۔" یہ سن کر ٹکٹ چیکر بولا، "تو پھر آپ کو ٹکٹ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کچھ پیسے مجھے دے دیجیے میں آپ کو اگلے اسٹیشن پر اتار دوں گا۔" یہ سننا تھا کہ قائدِ اعظم کو غصہ آ گیا۔ انھوں نے فرمایا، "تم مجھے بے ایمانی کا سبق دیتے ہو میں تمھیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

اب تو ٹکٹ چیکر بہت پریشان ہوا۔ اس نے آپ سے معافی مانگی تو قائدِ اعظم نے کہا،

"معافی مانگنے کی ضرورت نہیں، مجھے خاموشی سے ٹکٹ بنا دو۔"

اور ٹکٹ چیکر نے چپ چاپ ٹکٹ بنا کر قائدِ اعظم کے حوالے کر دیا۔

جون ۱۹۷۶ء کے شمارے میں معلوماتِ عامہ ۱۲۲ کے جو سوالات شائع ہوئے تھے اُن کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی اسلامی درس گاہ کا نام صُفّہ ہے۔

۲۔ مشہور مزاح نگار مجید لاہوری کا اصل نام عبدالمجید چوہان ہے۔

۳۔ مشہور ملک انگولا کے دارالحکومت کا نام لوانڈا ہے۔

۴۔ پنگ پانگ (PING-PONG) کھیل ٹیبل ٹینس کھیل کا پُرانا نام ہے۔

۵۔ پولینڈ براعظم یورپ میں واقع ہے۔

۶۔ جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کے ساتھ میر جعفر نے غدّاری کی تھی۔

۷۔ گراموفون ریکارڈ ۱۹۸۷ء میں امریکا کے باشندے برلینر نے ایجاد کیا تھا۔

۸۔ مشہور جہازی نہر جو بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو آپس میں ملاتی ہے وہ مصر میں ہے اور نہر کا نام سویز ہے۔

۹۔ پاکستان کا قومی پھول یاسمین (چنبیلی) ہے۔

۱۰۔ غذا جسم کو جو توانائی پہنچاتی ہے اس توانائی کو ناپنے کے لیے ایک اکائی (UNIT) استعمال کی جاتی ہے۔ اس اکائی کو اُردو میں حرارہ (CALORIE) کہتے ہیں۔

صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے، معلومات عامہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے، اس لیے جن نونہالوں کی تصویریں پچھلے ماہ شائع ہو چکی ہیں، ان کی تصویریں اس ماہ شائع نہیں کی جارہی ہیں۔ ان کے صرف نام شائع کیے جارہے ہیں۔

معلوماتِ عامہ کے جوابات بھیجنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ جس کاغذ پر جوابات ارسال کریں اس پر اپنا پتا ضرور لکھیں۔ آئندہ سے جو نونہال اپنا مکمل پتا نہیں لکھیں گے اُن کی تصویر شائع نہیں کی جاسکے گی۔

نام	مقام	نام	مقام	نام	مقام
۱۔ عبدالجبار	حیدرآباد	۱۵۔ مشتاق احمد	میرپورخاص	۲۹۔ سید ناصرالدین	کراچی
۲۔ نجم السحر حسن	پُرانا سکھر	۱۶۔ محمد اسحاق عین الحق	کراچی	۳۰۔ شفیق قادر	نواب شاہ
۳۔ سید تنویر حسن	پرانا سکھر	۱۷۔ شیخ محمد سلیم	حیدرآباد	۳۱۔ فیاض احمد	حافظ آباد
۴۔ محمد حسین عثمان کمانی	کراچی	۱۸۔ سید شہزاد علی	کراچی	۳۲۔ سید علی حیدر رضوی	پُرانا سکھر
۵۔ آنسہ نیلوفر خواجہ	کراچی	۱۹۔ ناصر احمد	کراچی	۳۳۔ عبدالرؤف	کراچی
۶۔ اظفر قیوم خان غوری	کراچی	۲۰۔ اقبال مسلم	کراچی	۳۴۔ سید حسن حیدر رضوی	پرانا سکھر
۷۔ آنسہ شہناز سلیم	کراچی	۲۱۔ محمد ظفر اقبال	کراچی	۳۵۔ محمد فرخ انصاری	حیدرآباد
۸۔ خالد جمال	کراچی	۲۲۔ نہیم الدین	کراچی	۳۶۔ محمد شعیب انصاری	حیدرآباد
۹۔ محمد رؤف	کراچی	۲۳۔ محمد طاہر ملک	کیمبل پور	۳۷۔ سید شاہ ربیع الحسن	کراچی
۱۰۔ احمد علی	دریا خان	۲۴۔ محمد جعفر کھتری	کراچی	۳۸۔ سید وقار محمود نقوی	کراچی
۱۱۔ شاہد الیاس شاہد	حیدرآباد	۲۵۔ سلیم حسین	کراچی	۳۹۔ ناصر حاتم	کراچی
۱۲۔ حافظ محمد الیاس بندھانی	کراچی	۲۶۔ مجتبیٰ افضل	کراچی	۴۰۔ تنویر کمال	کراچی
۱۳۔ محمد حنیف لاکھانی	کراچی	۲۷۔ محمد اویس خان شاداب	کراچی	۴۱ جاوید عبدالغنی	کراچی
۱۴۔ اقبال حسین	کراچی	۲۸۔ اظہار احمد زبیری	کراچی	۴۲۔ فرخ تاج	کراچی

نام	مقام	نام	مقام	نام	مقام
۴۳۔ اعجاز احمد	حافظ آباد	۶۷۔ محمد حسن طاہر	کراچی	۹۱ محمد رفیق میمن	حیدرآباد
۴۴۔ ایس ایم رحیم	حیدرآباد	۶۸۔ محمود احمد	کراچی	۹۲ محمد شاہد شیخ	حیدرآباد
۴۵۔ شہزادہ ایم حسین پٹنی	کراچی	۶۹۔ جمیل احمد ساغر	کراچی	۹۳ ذبیح اللہ خان	حیدرآباد
۴۶۔ عبدالغنی قریشی	میرپورخاص	۷۰۔ اشتیاق [illegible]	کراچی	۹۴ کنیز سیدہ عابدی	کراچی
۴۷۔ مسعود پرویز خان	حیدرآباد	۷۱۔ محمد اکرام یٰسین	کراچی	۹۵ رضا عباس عابدی	کراچی
۴۸۔ محمد رفیق ابوبکر بھیج والا	کراچی	۷۲۔ شعیب اللہ شیخ	کراچی	۹۶ شیخ عاصم اطہر قریشی	کراچی
۴۹۔ عبدالغفور	کراچی	۷۳۔ غلام حسین ملک پٹنی	کراچی	۹۷ لچھمن داس	حیدرآباد
۵۰۔ وحید محسن	حیدرآباد	۷۴۔ محمد سلیم بارا پوریا	کراچی	۹۸ عرفان عباسی	کراچی
۵۱۔ دل امداد علی راہی	امروٹ شریف	۷۵۔ عبدالسلیم قریشی	کراچی	۹۹ فیصل بن آفتاب	کراچی
۵۲۔ قاضی مغیث الدین صدیقی	میرپورخاص	۷۶۔ عمران	کراچی	۱۰۰ عبدالقیوم	کراچی
۵۳۔ کنیز زینب عابدی	کراچی	۷۷۔ جاوید اقبال	کراچی	۱۰۱ محمد اسلم قریشی	کراچی
۵۴۔ ظہیر الدین راجپوت	کراچی	۷۸۔ سید اظہار احمد زیدی	کراچی	۱۰۲ محمد ظفر اختر	مقام نامعلوم
۵۵۔ سعید احسن	حیدرآباد	۷۹۔ افتخار احمد برنی	پرانا سکھر	۱۰۱ ابوبکر فیاض	کراچی
۵۶۔ ندیم عثمانی	کراچی	۸۰۔ جمیل الرحمان پٹھان	حیدرآباد	۱۰۴۔ عثمان غنی	کراچی
۵۷۔ سعید اعجاز	کراچی	۸۱ خالد عزیز	کراچی	۱۰۵۔ محمد خالد راجا پردیسی	راولپنڈی
۵۸۔ فرزان سلیم	کراچی	۸۲ مظفر قیوم خان غوری	کراچی	۱۰۶۔ سید ماجد علی	نواب شاہ
۵۹۔ عتیق الرحمان	کراچی	۸۳ عبدالستار	حیدرآباد	۱۰۷۔ اختر احمد	کراچی
۶۰۔ کنیز صغریٰ عابدی	کراچی	۸۴۔ ارشد محمود	کراچی	۱۰۸۔ عافیہ حسن	پُرانا سکھر
۶۱۔ رخسانہ اعجاز	کراچی	۸۵۔ احمد افضال	کراچی	۱۰۹۔ سید توقیر حسن	پُرانا سکھر
۶۲۔ کنیز کبریٰ عابدی	کراچی	۸۶۔ زبیر عثمان کمانی	کراچی	۱۱۰۔ سید سعد اختر	کراچی
۶۳۔ حسن اقبال قریشی	سکھر	۸۷۔ آغا سہیل رعنا	شکار پور	۱۱۱۔ چودھری سہیل انیس	کراچی
۶۴۔ کنیز کلثوم عابدی	کراچی	۸۸۔ مزمل حسین	کراچی	۱۱۲۔ حاجی یعقوب حاجی یوسف	کراچی
۶۵۔ خالد مجید خان	حیدرآباد	۸۹۔ عارف خان	کراچی	۱۱۳۔ راشد منذ علی	کراچی
۶۶۔ عارف مجید خان	حیدرآباد	۹۰۔ ناصر عزیز خان	حیدرآباد	۱۱۴۔ سہیل عباسی	کراچی

۔ محمد یوسف ناصر خاں — شکارپور ۱۲۸۔ محمد اعجاز میمن — سکھر ۱۴۱۔ محمد عارف — سکھر
۱۔ آنسہ شائستہ ناہید — کراچی ۱۲۹۔ ایاز احمد — کراچی ۱۴۲۔ رفعت اعجاز — کراچی
۱۔ ارسلان اختر گیلانی — کراچی ۱۳۰۔ سعید احمد — کراچی ۱۴۳۔ سید عرفان علی — کراچی
۱۔ آنسہ روبینہ محمد یعقوب — کویت ۱۳۱۔ ابصار زاہد خان — کراچی ۱۴۴۔ احمد شعیب شبلی — کراچی
۱۔ مسعود احمد عباسی — کراچی ۱۳۲۔ سید محمد اطہر رضوی — کراچی ۱۴۵۔ سید مُسلم رضا — کراچی
۱۱۔ ولایت منڈ علی — کراچی ۱۳۳۔ پرویز احمد صدیقی — کراچی ۱۴۶۔ وسیم الدین فاروقی — کراچی
۱۔ آنسہ شگفتہ سعید — کراچی ۱۳۴۔ انور حسین — کراچی ۱۴۷۔ نعیم احمد — کراچی
۱۲۔ راشد حسین خان — پرانا سکھر ۱۳۵۔ سجاد علی پروانہ — سکھر ۱۴۸۔ تشکیل احمد — کراچی
۱۲۱۔ سہیل ادیب — کراچی ۱۳۶۔ میاں محمد مزمل نظامی — کراچی ۱۴۹۔ وسیم احمد — کراچی
۱۲۔ فیاض احمد آرائیں — ٹنڈو جان محمد ۱۳۷۔ زاہد حسین بھلہ — سکھر ۱۵۰۔ عشرت بیگ — کراچی
۱۲۔ میاں غلام کریم فخر الدین — پاک پتن شریف ۱۳۸۔ شعیب خان یوسفی — روہڑی ۱۵۱۔ آفتاب اقبال بلوچ — کراچی
۱۲۔ محمد اسحاق غوری — نواب شاہ ۱۳۹۔ شہزاد علی — سکھر ۱۵۲۔ منصور باری — کراچی
۱۲۔ محمد اسحاق مغل — کراچی ۱۴۰۔ ارشاد احمد کھتری — کراچی ۱۵۳۔ احمد رمضان سیمجا — کراچی
۱۵۔ محمد رزاق — کراچی ۱۵۵۔ زاہد علی — کراچی ۱۵۶۔ محمد اسلم — کراچی ۱۵۷۔ کوثر تاج — کراچی

صحیح جواب بھیجنے والوں کی تصویریں

شفیق قادر۔ نواب شاہ | آنسہ شائستہ ناہید۔ کراچی | محمد سلیم باراپوریا۔ کراچی | آنسہ نیلوفر خواجہ۔ کراچی

احمد رمضان سیمجا۔ کراچی | شہناز سلیم۔ کراچی | اقبال مسلم۔ کراچی | کوثر تاج۔ کراچی

خالد جمیل۔ کراچی | ظہیر الدین راجپوت۔ کراچی | انور حسین۔ کراچی | سہیل علی حیدر رضوی سکھر

غلام حسین ملیک پٹنی۔ نیو کراچی | عبدالسلیم قریشی۔ کراچی | عشرت بیگ لانڈھی کالونی کراچی | محمد اسحاق مغل۔ کراچی

محمد حسین عثمان کمانی۔ کراچی | ارشاد احمد کراچی | محمد سیف الدین۔ کراچی | محمد اسحاق عین الحق۔ کراچی

نورالدین جہانگیر۔ کراچی
سعید اعجاز۔ کراچی
ناصر حاتم۔ کراچی
عبد الغفور۔ کراچی

محمد اکرم لیسین۔ کراچی
جمیل احمد ساغر۔ کراچی
شہزادہ ایم حسین بیٹی۔ کراچی
محمد حنیف لاکھانی۔ کراچی

محمد اویس خان شاداب۔ کراچی
سہیل ادیب۔ کراچی
اظہار احمد زبیری۔ کراچی
ذبیح اللہ خان۔ حیدرآباد

سلیم حسین۔ کراچی
وسیم الدین فاروقی۔ کراچی
محمد عارف۔ سکھر
مزمل حسین۔ کراچی

سید ناصر الدین۔ کراچی
سید عرفان علی۔ کراچی
سید تنویر حسن۔ پرانا سکھر
سجاد علی۔ پرانا سکھر

شہزاد علی۔ پرانا سکھر
محمد اسلم۔ کراچی
محمد شعیب خاں۔ روہڑی
اقبال حسین۔ کراچی

مجتبیٰ افضل۔ کراچی
فرخ تاج۔ کراچی
عبد الجبار۔ حیدرآباد
اعجاز احمد

محمد اقبال غوری۔ نوابشاہ
محمد حسن طاہر۔ کراچی
عرفان عباسی۔ کراچی
اشتیاق اسلم۔ کراچی

اشفاق ظفر حیدری ۔ آزاد کشمیر | احمد افضال ۔ کراچی | جاوید اقبال کراچی | عبد القیوم ۔ کراچی

منصور باری ۔ کراچی | محمد ظفر اختر ۔ حیدر آباد | راشد حسین خان ۔ پرانا سکھر | حاجی یعقوب حاجی یوسف ۔ کراچی

بشیر احمد ۔ نیو کراچی | عبد الغنی ۔ میر پور خاص | ولایت مند علی ۔ کراچی | مظفر قیوم غوری ۔ کراچی

سید ماجد علی ۔ نواب شاہ | عثمان غنی ۔ کراچی | راشد منور علی ۔ کراچی | ارسلان اختر گیلانی ۔ کراچی

عبد الستار ۔ حیدر آباد | ندیم عثمانی ۔ کراچی | محمد رزاق ۔ کراچی | زبیر عثمان کمانی ۔ کراچی

ابوبکر فیاض ۔ کراچی | محمد فرخ انصاری حیدر آباد | سید انوار حسین چشتی ۔ کراچی | سہیل عباسی ۔ کراچی

محمد اسلم قریشی ۔ کراچی | سید توقیر حسن ۔ پرانا سکھر | خالد عزیز ۔ کراچی | مسعود احمد عباسی ۔ کراچی

سید حسن حیدر رضوی ۔ پرانا سکھر | سید مسلم رضا ۔ کراچی | عمران عباسی ۔ کراچی | محمد رفیق شیخ ۔ کراچی

حلقۂ دوستی

یوسف قاسمی

عمر: ۱۵ سال

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: لیاقت آباد، مکان نمبر ۱۴۲ کراچی

ایم جاوید نبی قریشی

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا۔ قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا۔

پتا: مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۱۴۔ گاندھی نگر عثمان آباد۔ کراچی نمبر ۳ (سندھ)

میر دراز خان صابر

عمر: ۱۵ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ہاکی کھیلنا۔ رسائل پڑھنا، قلمی دوستی

پتا: معرفت حاجی کریانہ اسٹور۔ لکی گیٹ۔ بنوں شہر (سرحد)

اختر شمس الدین

عمر: ۱۵ سال تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ٹکٹ، ریکارڈ سکے اور جمع فوٹو جمع کرنا۔

پتا: ۴۳، آدم ٹیرس، آغا خان روڈ کھارادر کراچی (سندھ)

تسلیم عزیز اللہ عُقیلی

دل چسپیاں: ریڈیو پر فرمائش تعلیم: انٹر

دل چسپیاں: ریڈیو پر فرمائش کرنا خطوں کے جواب دینا۔

پتا: معرفت مشتاق کشیدہ کاری۔ صرافہ بازار۔ ٹھٹھہ۔ سندھ۔

افضال احمد

عمر: ۱۰ تعلیم: پنجم

دل چسپیاں: نماز پڑھنا۔ دوست بنانا، لکھنا پڑھنا،

پتا: کیفے عمران۔ مارچ بازار سکھر (سندھ)

حاجی محمد بشارت جاوید

عمر: ۱۴ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا، نونہال پڑھنا۔

پتا: حاجی ماسٹر بشیر احمد۔ مکان نمبر اے ۲۵۸/جے ڈھوک الٰہی بخش (راولپنڈی)

ثمیم خالد

عمر: ۱۳ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ، رسالہ بینی اور باغبانی

پتا: مکان ایم ۲۶۰ حمیرا منزل۔ مولارام کمپاونڈ لیاری کراچی ۲۳

خالد فضل

عمر: ۱۱ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا

پتا: مکان ۶۹۹ بی۔ آئی۔ بی کالونی کراچی نمبر ۵ (سندھ)

اشر حمید رضوی

عمر: ۱۰ سال تعلیم: چہارم

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا، نونہال پڑھنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: مکان نمبر ۹۸۔ یونٹ نمبر ۵۔ لطیف آباد۔ حیدرآباد

محمد عبدالخالق خان

عمر: ۱۱ سال تعلیم: ششم

دل چسپیاں: فٹ بال کھیلنا۔ کہانیاں پڑھنا

پتا: کوارٹر نمبر ۲۷ بلاک نمبر ۲ سٹلائٹ ٹاؤن۔ میرپورخاص (سندھ)

سید مظہر علی جعفری

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، جنرل نالج جمع کرنا

پتا: ۱۵۱/ای۔ زیل پاک کالونی حیدرآباد (سندھ)

مسرور احمد خان

عمر: ۸ سال تعلیم: سوئم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، تصویریں بنانا

پتا: ڈی۔ ا۔ پوسٹ آفس کمپاؤنڈ۔ لیاقت آباد کراچی

ارشد عباس

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ جمع کرنا، نونہال پڑھنا

پتا: ۱۱ موینسر بلڈنگ می شالی روڈ بالمقابل۔ پولیس ہسپتال۔ کراچی

سلیم اختر ندیم

عمر: ۱۶ سال تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: شعر و شاعری کرنا، خط کا جواب جلدی دینا

پتا: معرفت قذافی لائبریری نزد گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول لیہ (ضلع مظفرگڑھ)

مقبول حسین عاصم آرائیں

عمر: ۱۶ سال تعلیم: سیکنڈ ائیر

دل چسپیاں: قلمی دوستی، معلومات جمع کرنا، ٹکٹ جمع کرنا

پتا: تاج بستی نزد عید گاہ ٹڈ عیدن (سندھ)

سید ظلِ عسکری

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، سکے جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، معلومات جمع کرنا۔

پتا: ڈی/۴۹، رضویہ سوسائٹی۔ ناظم آباد۔ کراچی نمبر ۱۸ (سندھ)

عامر رحمان

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، کہانیاں پڑھنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: ای ۴۳ جہانگیر روڈ ایسٹ کراچی (سندھ)

افتخار احمد شاہین

عمر: ۱۶ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا، ہاکی کھیلنا۔ دوستی کرنا۔

پتا: وحدت کالونی مکان نمبر ۱۳۰ محلہ حبیب گنج دینا نگر روڈ۔ گوجرانوالہ

علی محمد شہاب

عمر: ۱۶ سال تعلیم: ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ملکی و غیر ملکی ڈاک ٹکٹ۔ تحائف کا تبادلہ کرنا

پتا: شہاب منزل ۲۲۸۲ مسلم آباد۔ میرپورخاص (سندھ)

ریاض عبدالرزاق

عمر: ۱۳ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا، مطالعہ کرنا

پتا: پلاٹ نمبر ۲۴۔ ۲۳/۴ فلیٹ نمبر ۱ اسکور بلڈنگ نزد اچھی قبر۔ کراچی

سید زاہد علی رضوی

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی کرنا، ٹکٹ جمع کرنا، سکے جمع کرنا

پتا: ۱۴۹/اے۔ جیل روڈ۔ ہیرآباد۔ حیدرآباد (سندھ)

محمد حسین عباسی چوہان

عمر: ۱۲ سال تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: سکے جمع کرنا، قلمی دوستی کرنا، خط کا جواب جلد دینا۔

پتا: لیاقت آباد کالونی۔ پلاٹ نمبر ۳۔ دکان نمبر ۱۰۷، حیدرآباد

محمد شاھد علی نجمی

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، مطالعہ کرنا

پتا: ۱۹/بی۔ ۱۷۱۔ روشن باغ سوسائٹی فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

محمد انوار

عمر: ۱۵ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: کیرم کھیلنا، نونہال پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا

پتا: مکان نمبر ۱۳۸۹۔ محلہ لال کرتی وارڈ نمبر، ملتان کینٹ (پنجاب)

محمد اقبال اختر

عمر: ۱۵ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: بچوں کا رسالہ پڑھنا، سائیکل چلانا، لکڑی کے ماڈل بنانا

پتا: گورنمنٹ ہائی اسکول۔ قائد آباد۔ ضلع سرگودھا پنجاب

میر مصلح الدین ماجد خان

عمر: ۱۴ سال تعلیم: نہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، اسٹیمپ جمع کرنا

پتا: بی ۴۰۔ بلاک کیو۔ نارتھ ناظم آباد۔ کراچی (سندھ)

شارق عدیل

عمر: ۳ سال تعلیم: اوّل

دل چسپیاں: لکھنا پڑھنا، گیند کھیلنا، کہانیاں سننا۔

پتا: ایچ ۱/۱۱ فیڈرل کیپٹل ایریا۔ کراچی ۱۹ (سندھ)

عبدالغفار راٹھور

عمر: ۱۵ سال تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، نونہال پڑھنا اور قلمی دوستی کرنا۔

پتا: مکان نمبر بی III ۹۲، منو آباد (رسول آباد) نواب شاہ (سندھ)

تنویر مشعل

عمر: ۱۶ سال تعلیم: دہم

دل چسپیاں: قلمی دوستی، ٹکٹ جمع کرنا۔ شاعری کرنا۔ مطالعہ کرنا

پتا: کوارٹر ۴۲/۱ الف۔ سادھو ملیر۔ توسیعی کالونی۔ کراچی (سندھ)

افضال حسین چوہدری

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: دہم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: ۲۳۹/ای - پیر کالونی - والٹن - لاہور کینٹ (پنجاب)

عبدالسمیع خان

عمر: ۱۳½ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: ٹکٹ جمع کرنا - مطالعہ کرنا، قلمی دوستی کرنا

پتا: ڈاکٹر عبدالسلام خان ۱۰۵ - ریٹ کیمپ روڈ - کراچی کینٹ (سندھ)

محمد حنیف

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا، ٹکٹوں کا تبادلہ اور کیرم کھیلنا

پتا: معرفت: ایم صدیقی ۱۰/۱ جی III ناظم آباد - کراچی ۱۸ (سندھ)

ظفر قابل

عمر: ۱۳ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: غیر ممالک میں قلمی دوستی کرنا، معلومات عامہ

پتا: کوارٹر نمبر ۳۸۹ بلاک بی یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد (سندھ)

خالد

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ششم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا - نونہال پڑھنا - نماز پڑھنا

پتا: پلاٹ ۲۴۸ - ۱۱/ای - نیو کراچی سیکٹر (سندھ)

نواب علی کھوکھر

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: ملکی اور غیر ملکی بہن بھائیوں سے دوستی کرنا۔

پتا: معرفت لیل سنگھ کرانہ مرچنٹ - بھونگو - ضلع سانگھڑ (سندھ)

راجا اعجاز علی شہزاد

عمر: ۱۶ سال — تعلیم: فرسٹ ایر

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، ٹکٹوں کا تبادلہ کرنا

پتا: شفیع کرانہ اسٹور نزد جامع مسجد قیوم کالونی - لانڈھی - کراچی ۲۲

سید محمد رضوان علی

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا، ٹکٹ اور معلومات جمع کرنا

پتا: ۳۶/الف/۱۴۲/۵ بی - لانڈھی کالونی - کراچی ۳۰ (سندھ)

شمس الرحمان

عمر: ۱۱ سال — تعلیم: ہفتم

دل چسپیاں: کرکٹ کھیلنا - نونہال پڑھنا

پتا: آر ۴۷/۹ - دستگیر کالونی - کراچی ۳۸ کراچی (سندھ)

اعظم رضوی

عمر: ۱۵ سال — تعلیم: میٹرک

دل چسپیاں: ملکی و غیر ملکی بھائیوں سے دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا

پتا: ۱۵/۷۷ - دستگیر کالونی - الف - بی - ایریا - کراچی ۳۸ سندھ

محمد رفیق چانڈاں

عمر: ۱۴ سال — تعلیم: نہم

دل چسپیاں: نونہال پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا

پتا: مکان نمبر ۱۱۹ - ایریا ای ۵ نیو کراچی - کراچی (سندھ)

عبدالقادر شیخ

عمر: ۱۲ سال — تعلیم: ہشتم

دل چسپیاں: گھر کے کام میں ہاتھ بٹانا - نونہال پڑھنا، کرکٹ کھیلنا

پتا: مکان نمبر سی ۲۳۵ - لائین ۷ - دہلی کالونی ۲ گذری روڈ کراچی ۶
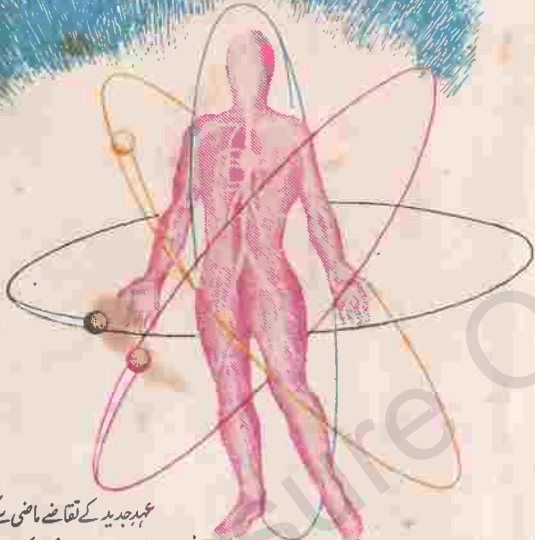
حکیم محمد سعید پبلشر نے زین پیکیجنگ انڈسٹریز کراچی میں چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر سے شائع کیا

اگست ۱۹۷۶ء
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۰۳